احادیثِ ضعیفہ محدثین کی نظر میں

تحقیقاتِ حدیث

شہزادۂ فقیہ ملت مفتی ازہار احمد امجدی مصباحی
(فاضل جامعہ ازہر مصر)

کتاب محل

حدیث ضعیف محدثین کی نظر میں

تحقیقاتِ حدیث

ازقلم

شہزادۂ فقیہ ملت

از ہار احمد امجدی مصباحی

فاضل جامعہ ازہر مصر

(شعبۂ حدیث، ایم اے)

کتاب محل

دربار مارکیٹ، لاہور

کتاب تحقیقاتِ حدیث
تالیف مولانا ازہار احمد امجدی مصباحی
تاریخ اشاعت 1437ھ/2016ء
ضخامت 208 صفحات
قیمت 400 روپے

کتاب محل
دربار مارکیٹ لاہور
محمد فہد 0321-8836932

فہرست



شرف انتساب

نہایت ہی خلوص واحترام کے ساتھ میں اپنی اس چھوٹی سی تحقیقی کاوش کا انتساب
اپنے والد ماجد صاحب تصانیف کثیرہ
حضور فقیہ ملت الحاج الشاہ مفتی محمد جلال الدین احمد امجدی رحمہ اللہ تعالیٰ
اور اپنی والدہ محترمہ حسیب النساء اطال اللہ عمرہا کے نام کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں
جن کی خوش گوار تربیتی اور علمی فضا میں رہ کر مجھ میں پڑھنے لکھنے اور اس پر عمل کرنے کا شعور
بیدار ہوا
اور اپنے ان مخلصین ومربین
بالخصوص جامعہ ازہر مصر کے اساتذۂ کرام، فقہا ومحدثین عظام غفرلہم کے نام
جن کی تحقیقات وتدقیقات، دعاؤں، عنایتوں اور زریں تربیت میں رہ کر حدیث اور علوم
حدیث میں ایک حد تک گہرائی اور گیرائی سے پڑھنے اور لکھنے کا شعور بیدار ہوا۔
فقیر اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہے کہ تاحیات اس شعور کو بیدار رکھے، اور اس شعور وآگہی
کے نتیجہ میں آنے والی تحقیقات کو شرفِ قبولیت سے نوازے، آمین!
گر قبول افتد زہے عز وشرف

فقیر ازہار احمد امجدی مصباحی غفرلہ
فاضل جامعہ ازہر، مصر

تقریظ جمیل

استاذ محترم حضرت علامہ مولانا عبد الرحمٰن رضوی دام ظلہ العالی
شیخ الحدیث: جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، مئو

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

امابعد!

زیرنظر کتاب بہ نام ''تحقیقات ازہری'' مولانا ازہار احمد امجدی ابن فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمۃ والرضوان کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جسے موصوف نے اپنے دوران قیام جامعہ ازہر شریف مصر تحریر کیا، اور ہندوستان کے مشہور ماہ ناموں میں چھپوایا، مندرجہ ذیل ٦ عناوین تقریباً ٢٠٠ صفحات پر مشتمل ایک علمی کتاب ہے جسے افادۂ عام کے لیے یک جا مطبوع کر کے شائع کیا جارہا ہے۔

اس مجموعہ مقالات کی اشاعت کے موقع پر موصوف گرامی کی خواہش ہوئی کہ میں اس پر کچھ تاثرات تحریر کردوں، قلت وقت اور کثرت مشاغل کے باعث یہ چند سطریں ارتجالاً معرضِ تحریر میں آئیں:

مولانا نے جن موضوعات پر تفصیلی گفتگو کی ہے، وہ یہ ہیں:

(ا) محدثین کی نظر میں حدیث ضعیف ایک تجزیاتی مطالعہ

(۲) ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) تحقیق کے آئینہ میں

(۳) ((حب الوطن من الایمان)) کے حدیث ہونے نہ ہونے کی بحث

(۴) حالت نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے والی روایات کی تحقیق

(۵) ما بین قبری و منبری روضة من ریاض الجنة کی تحقیق انیق

(٦) مضمون: 'بابارتن ہندی، بحیثیت صحابی رسول' کا منصفانہ جائزہ

موصوف نے ان مقالات میں، فن حدیث واصول حدیث کے قواعد وضوابط مقررہ و محررہ کی روشنی میں متعدد دلائل قائم کیے ہیں، جس سے موصوف کے مطالعہ کی وسعت اور دقت نظری کا پتہ چلتا ہے، ہر مقالے کے آخر میں ان کے مصادر ومراجع کی فہرست بھی ملحق کردی ہے، جن کتب کی عبارات سے استدلال واحتجاج کیا گیا ہے، عام طور سے جو کتب علما میں معروف ہیں، ان کے ماسوا بعض جدید کتب بھی ماخذ کی حیثیت سے پیش کی گئیں ہیں، جس سے جدید اسلوب تحقیق کا زریں گوشہ سامنے آتا ہے، اور قارئین کو الجھن سے نجات مل جاتی ہے۔

لوگوں میں بعض مشہور حدیث مثلاً ((حب الوطن من الایمان)) اور بابا رتن ہندی کی صحابیت وغیرہ پر فنی اور اصولی انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے، اور علما کے اصول تحقیق اور قواعد تنقیح کی پوری پوری وضاحت ورعایت کی گئی ہے، فی الجملہ میں نے مذکورہ مضامین کو متعدد مقامات سے ملاحظہ کیا، اسے عوام وخواص، خصوصا طلبہ علم حدیث کے لیے بہت مفید اور نافع پایا، جماعت اہل سنت کو ایسے افراد کی سخت ضرورت ہے جو فن حدیث کے اسرار و رموز سے اس طرح واقف ہوں تا کہ غیر مقلدین اور وہابیہ کے منہج تحقیق حدیث کی دسیسہ کاری کو خوب اجاگر کر سکیں، موصوف نے بعض معروف محققین جیسے صاحب عون المعبود وصاحب تحفۃ الاحوذی وبدایونی تحقیقات پر تعقبات کے ذریعہ ایک اچھا منہاج فراہم کیا ہے، اور دامن اعتدال کو تھامے رکھا ہے۔

عجلت کے باعث میں تفصیلی تبصرہ نہ کر سکا جس کا مجھے قلق ہے، اگر موصوف کی طرف سے لمبا وقت مجھے ملا ہوتا تو میں موصوف کی فطری ذکاوت، علمائے اہل سنت اور محدثین

عظام کی دقیقہ سنجی اور دوراندیشی کو دلائل و براہین کے ذریعہ اچھی طرح واضح کر دیتا، بہر حال موصوف گرامی ''الولد سر لابیه'' کے مطابق مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ کے لائق وفائق خلف الرشید ہونے کے مکمل مستحق ہیں۔

موصوف کی ابتدائی تعلیم جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی میں ہوئی ہے، دوران طالب علمی بہت کریم الاخلاق اور محنتی اور پابند صوم وصلوٰۃ طلبہ میں شمار ہوتے تھے، اور عصر حاضر کے اکثر طلبہ سے ان کی بود و باش الگ تھی، لیکن جامعہ ازہر سے تعلیمی سلسلہ قائم ہونے کے بعد موصوف کے جوہر پوری طرح آشکارا ہو گئے۔ دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ موصوف کو محدثین کی صف میں ترقیات کی منازل سے نوازے، اور فن حدیث میں ان کی تحقیقات سے ہم سب روشناس ہوتے رہیں، اللہ عزوجل موصوف کے علم وعمل میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے، اور ان کی کوشش کو شرف قبولیت سے نوازے۔

ایں دعا از من، و از جملہ جہاں آمین باد

خاکسار

عبدالرحمٰن رضوی انصاری

سینئر استاذ: جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، مئو



تقریظ جلیل

جامع معقولات ومنقولات علامہ مفتی شبیر حسن رضوی دام ظلہ العالی
استاذ: الجامعۃ الاسلامیۃ روناہی، فیض آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

امابعد!

زیر نظر کتاب ''تحقیقات ازہری'' چند مقالات کا مجموعہ ہے، جس میں حضور فقیہ ملت علیہ الرحمہ والرضوان کے صاحب زادے محترم مولانا ازہار احمد امجدی ازہری سلمہ المولی القوی بعض احادیث پر علمی وفنی گفتگو کی ہے، اور حدیث کی تخریج کر کے اس کے متعدد طرق کا تحقیقی تجزیہ کیا ہے، ساتھ ہی رواۃ حدیث پر جرح وتعدیل وتوثیق وتضعیف کی حیثیت سے بھی کلام کیا ہے، اور اقوال متعارضہ کے مابین جمع وتوفیق بہت اچھے اور حسین انداز میں کیا ہے، اس کتاب میں اصول حدیث کے جواہر پارے جا بجا دیکھنے کو ملتے ہیں، طبقات معدلین وجارحین کے جلوے بھی نظر آتے ہیں۔

محبّ موصوف کی یہ کاوش لائق تحسین ومبارک باد ہے، اس سے موصوف سلمہ کا حدیث، اصول حدیث، اسماء الرجال، جرح وتعدیل، اور تخریج حدیث کے باب میں قلبی لگاؤ اور ان کی دل چسپی اجاگر ہوتی ہے۔

اس رضوی فقیر کی اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اپنے حبیب پاک صاحب لولاک ﷺ کے صدقہ وطفیل محبّ گرامی کی اس جدو جہد وسعی وکوشش کو شرف قبولیت سے نوازے، اور حضور فقیہ ملت علیہ الرحمہ کے نقوش قدم اور مسلک امام عشق ومحبت اعلی حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالی عنہ پر قائم رکھتے ہوئے، ان کے علم وعمل میں مزید برکتیں عطا فرمائے، اور زیادہ سے زیادہ خدمات دینیہ کی توفیق رفیق مرحمت فرمائے۔ آمین بجاه حبیبه الکریم صلی الله تعالی علیه و آله و صحبه اجمعین و من تبعهم باحسان الی یوم الدین۔

فقط دعا گو و دعا جو

شبیر حسن رضوی

خادم: الجامعۃ الاسلامیۃ رَوناہی
فیض آباد، یوپی



تاثری کلمات

حضرت علامہ ومولانا کوثر امام دام ظلہ العالی
استاذ: دارالعلوم قدوسیہ فخر العلوم پرسونی بازار، مہراج گنج

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

رب تبارک وتعالیٰ کی جانب سے بندوں کے لئے جو پیغام آئے اور جنہیں عملی جامہ پہنانے کا حکم فرمایا گیا، ان کے مصادرِ اصلیہ کتاب وسنت ہیں جن کی حفاظت وصیانت کے لئے جدوجہد اور انہیں داخلی وخارجی آلائشوں سے محفوظ رکھنے کے لئے جتن کرنا امت مسلمہ کی بہت بڑی ذمہ داری تھی جسے پورا کرنا بغیر توفیق الٰہی ممکن نہ تھا، مالک حقیقی نے محض اپنے فضل سے ایک طرف قرآن کے تحفظ کو اپنے کرم کے سپرد کیا؛ تو دوسری طرف احادیث نبویہ کی محافظت کا جوش جنوں اپنے مخصوص بندوں کو عطا کیا جنہوں نے نت نئے طریقے ایجاد کر کے کچھ ایسی صورتیں تشکیل دے دیں کہ ہمیشہ کے لئے ذخیرۂ احادیث کلام غیر سے مامون ہو گیا۔

فن حدیث میں جتنے بھی شعبہ قائم ہوئے اور جتنے بھی ضوابط وقواعد وضع ہوئے سب کا تعلق صرف دو چیزوں سے ہے، ایک کلمات احادیث، دوسرے ناقل حدیث، باحث کی نگاہ انہیں دونوں چیزوں پر مرتکز رہتی ہے جبکہ دونوں میں خصوصی توجہ کا حامل ناقل حدیث

ہے جسے رجال حدیث یا رواۃ حدیث سے تعبیر کرتے ہیں، اور نقد رجال و رواۃ کے تعلق سے جو بحثیں معرض وجود میں آئیں انہیں فن جرح و تعدیل کا نام دیا جاتا ہے۔

ابتدائی عہد میں یہ فن صرف زبانی طور پر رائج تھا، تیسری صدی ہجری میں کتابیں تیار ہونا شروع ہوئیں اور چوتھی صدی کے اختتام تک نقد رجال کے مطلوبہ سارے مواد جمع ہو گئے، اس کے بعد جدید کاوش کی کوئی صورت باقی نہ رہ سکی، پانچویں صدی ہجری سے جو کام شروع ہوا وہ یہ کہ پچھلی تحریروں اور جمع شدہ معلومات کی ترتیب، تدوین، تہذیب استدراک کا کام تھا، اس سلسلے میں اپنے اپنے ذوق اور جداگانہ اسلوب میں کام کرنے والے کرتے رہے اور حدیث و رجال حدیث کے متعلق اس قدر وافر ذخیرہ تیار ہو گیا کہ کسی بھی سند و حدیث کی تحقیق بہت حد تک آسان ہو گئی؛ مگر اس آسانی کے باوجود کسی حدیث پر صحت و ضعف لگانا جس قدر دشوار ترین مرحلہ ہے اس کا ادراک ان لوگوں کو خوب ہے جو اس فن سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

اسی دشواری کے باعث بعض محدثین نے اس بات کو ترجیح دی کہ علمائے متقدمین ہی کے لائق تھا کہ وہ حدیث پر صحت و ضعف کا حکم لگائیں، دوسروں کو اس کی اجازت نہیں؛ جبکہ علمائے متاخرین کے طرز تحریر اور تحقیقی عمل سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کسی خاص طبقہ کے علما کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ جو بھی اس فن میں درجہ کمال کو پہنچا ہے اسے اس کی اجازت ہے۔

چناں چہ امام زیلعی حنفی، حافظ ابن حجر عسقلانی، امام عینی حنفی، علامہ سخاوی، علامہ سیوطی، ملا علی قاری، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، علامہ طاہر فتنی، امام صغانی اور امام احمد رضا قادری بریلوی رضی اللہ عنہم نے کتنی احادیث و آثار پر صحت و ضعف اور موضوع و حسن ہونے کا حکم لگایا ہے، یہ اور بات ہے کہ ان کے لگائے ہوئے بعض حکم پر دوسروں نے تنقید بھی کی ہے بہر صورت وہ دونوں اجر کے مستحق ہیں۔

مختصر یہ کہ تحقیق حدیث و نقد رجال کا سلسلہ کل بھی تھا آج بھی ہے اور ان شاء اللہ جاری رہے گا، اسی سلسلہ کی ایک حسین کڑی یا ان ہی بزرگوں کے نقش پا کی پر خلوص پیروی پیش نظر مجموعہ مضامین ہے جن میں چند اہم اور پیچیدہ بحثوں کو بڑی خوب صورتی کے ساتھ

قارئین کے ذہن وفکر میں اتارنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ہر چند کہ ان موضوعات پر کافی کچھ لکھا گیا ہے اور ہر جہت کے تحقیقی وتنقیدی بحث کی گئی ہے؛ لیکن وہ سارے علمی مواد ومباحث عربی ذخیرہ میں ہونے کے سبب کم از کم عام اردو قارئین کے دسترس سے ماورا ہیں، اللہ تعالی شاد کام فرمائے ان فیروز مندوں کو جنہوں نے علوم حدیث کے گرانقدر وانمول سرمایہ کو اردو زبان میں نہ صرف یہ کہ منتقل کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے، بلکہ نئے نئے ایسے عناوین پر بھی تحقیق وتفتیش کر رہے ہیں جن کی طرف علمائے عرب نے یا تو توجہ نہ کی تھی یا تحقیق کے دوران موضوع کے ساتھ انصاف نہ کیا تھا۔

آج جس دور سے ہم گزر رہے ہیں اس کے بارے میں کیا کہنا! جو حال خطابت کا ہے تقریبا وہی صورتحال مضمون نگاری میں بھی ہے، خطیب آزاد ہے جو چاہے بولے کوئی روکنے والا نہیں، یونہی قلم کار جو چاہے لکھے اور رسائل وجرائد کے ذریعہ عوام تک پہنچا دے، اس کے ذریعہ قوم کا مزاج فساد کا شکار ہو، انتشار فکری کا ماحول برپا ہو یا مثبت نتائج برآمد ہوں، کوئی پرواہ نہیں اور نہ ہی کوئی منع کرنے والا ہے؛ بلکہ ایسے ہی لوگوں کو واہ واہی کی دولت بھی ملتی ہے جو تقریر وتحریر کے ذریعہ ہنگامہ برپا کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔

جلسہ جلوس کی ہمہ ہمی، تقریر وخطاب کی پذیرائی، بیعت وخلافت کی جلوہ گری، نذر ونیاز کی گرم بازاری کی دنیا میں ہر چہار جانب سے آنکھیں موند کر، سہل پسندی کو بالائے طاق رکھ کے، قرطاس وقلم کو گلے لگانا، تحقیقی تصنیف وتالیف میں منہمک ہونا اپنے نفس سے جہاد کے مترادف ہے، خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہوں نے ایسے میدان کا انتخاب کیا جس میں کامرانی کی منزلوں سے ہمکنار ہونے کے بعد بھی کوئی مبارکبادی کے چند بول کہنے والا نہیں ملتا؛ اگرچہ تاریخ کے باب میں اپنا روشن مقام بنا چکے ہوتے ہیں!

ایسے ہی لوگوں میں فقیہ ملت علیہ الرحمہ کے صاحب زادے حضرت مولانا ازہار احمد امجدی ازہری ہیں جن کی مشکل پسند طبیعت نے خدمت حدیث کو اپنا دائرۂ عمل منتخب کیا، اور اپنی وسعت مطالعہ، ژرف نگاہی، دقت نظری کے گل بوٹے سجا کر مطالعہ کے میز پر ایک حسین گلدستہ بنام "تحقیقات ازہری" پیش کیا ہے۔

محقق موصوف نے ناچیز کو بھرپور اجازت دی تھی کہ آپ اس پر کھل کر تنقید کر سکتے ہیں، یہ ان کی صرف وسعت نظری اور ذہنی و قلبی کشادگی ہی نہیں بلکہ اپنے موقف کی تائید میں دلائل کی پختگی اور استدلال و استشہاد کے استحکام پر کامل یقین کی واضح نشانی و بین ثبوت ہے، اور کیوں نہ ہو کہ وہ تو اپنے والد گرامی حضور فقیہ ملت اور سیدی سرکار اعلیٰ حضرت یعنی علمائے اہل سنت کے مسلم نظریات کو اپنے ازہری مطالعہ اور عربوں کے منہج تحقیق کے پیرایہ میں پیش کیا ہے۔

راقم الحروف نے پیش نظر کتاب کا بنظر غائر تو نہیں لیکن کافی حد تک مطالعہ کیا، خوب سے خوب تر پایا، محقق موصوف نے بڑی عرق ریزی کی ہے، اور تحقیق میں انصاف اور علمی امانت داری کا بھرپور لحاظ کیا رکھا ہے، جو لوگ فن حدیث کی کتابیں مطالعہ کرتے ہیں وہ آشنا ہیں کہ اس میں ہر طرح کی چیزیں بافراط موجود ہیں، اب انتخاب کرنے والے کے اوپر ہے کہ وہ کیا چاہتا ہے، اور کس قسم کا خیال لے کر مواد حاصل کر کے اپنے موقف کو پیش کرنے کا خواہشمند ہے؛ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے بابا رتن ہندی کو صحابی رسول ثابت کرنے کی کوشش یا ضعیف و موضوع روایات پر گفتگو کی تھی، ایسا نہیں کہ وہ نادان تھے یا ان کے موقف کی تائید میں دلیل نہ تھی؛ بلکہ وہ صاحب علم تھے اور انہیں عربی ماخذ سے اپنے منشا کے مطابق دلائل دستیاب تھے لیکن پیچیدگی اس وجہ سے پیدا ہوگئی کہ انہوں نے ایک طرف اصول و ضوابط کا لحاظ نہ کیا؛ تو دوسری طرف موافق دلیلوں کو قبول اور مخالف دلیلوں سے اغماض نظر کر لیا۔

یہاں مولانا ازہری امجدی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے دونوں قسم کے دلیلوں کو پیش کر کے ان پر بحث کی ہے، اور صاف ستھرا موقف واضح کر دیا ہے۔

بابا رتن ہندی کی صحابیت ثابت نہیں، خواہ مخواہ انہیں زمرہ صحابہ میں شامل کرنے کی کوشش کرنا غیر مناسب عمل ہے، موصوف محقق نے اس عنوان پر بڑی اچھی تحقیق کر کے مسئلہ کو بے غبار کر دیا ہے، اسی طرح ((حب الوطن من الایمان)) کے موضوع ہونے کو واشگاف فرمایا جبکہ سینے پر ہاتھ باندھنے والی حدیث پر جس طرح وسیع پیمانہ پر تخریج و تحقیق

159191

فرمائی ہے کہ پڑھ کر طبیعت باغ باغ ہو جائے۔

بلاشبہہ موصوف کے انداز بحث کی اہم خوبی یہ ہے کہ نصوص و شواہد بکثرت اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ قاری چند سطور کے بعد ہی از خود نتیجہ تک پہنچ جائے، اور اس کا ضمیر وہی کہ اٹھے جو آئندہ اختتام بحث میں باحث کہنا چاہتا ہے، یہ فن حدیث پر مضبوط گرفت، نقد رجال میں تبحر اور اصول و ضوابط پر درک و کمال کا ثمرہ ہے۔

راقم الحروف زیر نظر کتاب پر صرف تاثرات کے چند جملے لکھنا چاہ رہا تھا لیکن بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی، اس کے لئے معذرت کا خواستگار ہے، اور رب کریم کی بارگاہ میں دست بدعا ہے کہ پروردگار محقق موصوف کو مذہب حقہ، و مسلک اعلیٰ حضرت کی زیادہ سے زیادہ ترویج و اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاه سيد المرسلين صلى الله عليه و على آله و بارك و سلم۔

احقر الانام

کوثر امام قادری

خادم دار العلوم قدوسیہ فخر العلوم

پرسونی بازار مہراج گنج یوپی

۳ر جمادی الاولی ۱۴۳۶ھ



تقدیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ الذی بنعمته تتم الصالحات و الصلوٰة و السلام علٰی سید الانام و علٰی آله و صحبه و من تبعهم باحسان الٰی آخر الایام۔

امابعد!

ہر محقق ومحرر پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ تحقیقی تحریر وجود میں لانا کوئی معمولی بات نہیں، اس اہم امر کے لئے وسعت مطالعہ، جہد و مشقت، صبر وتحمل اور پرسکون ماحول مطلوب ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ میں ابتدا میں مضمون نگاری سے کسی حد تک خائف رہتا تھا، کبھی محسوس ہوتا کہ الحمد اللہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا پرسکون ماحول ہے، میرے اندر جہد ومشقت اور صبر وتحمل کی صفت بھی کسی حد تک موجود ہے، جس کے سہارے کچھ تحریر صفحہ قرطاس کے حوالے کر سکتا ہوں، مگر ذہن پر ایک بات دستک دیتی کہ تحقیقی تحریر قرطاس کے حوالے کرنا گویا کہ اس کو تھالی میں پھول کی طرح سجا کر پیش کرنا ہے، نہ جانے کتنے محققین و ناقدین کی نظر سے گزرے گی، تو کسی حد تک ڈر سا پیدا ہو جاتا، ساتھ ہی قلت مطالعہ بھی دامن گیر ہوتی، اسی کش مکش کے عالم میں جامعہ اشرفیہ مبارکپور کی سرزمین پر اس شوق کا اظہار میں نے اپنے عزیز دوست محترم مفتی کہف الوریٰ مصباحی سلمہ اللہ سے کیا، آپ نے میری حوصلہ افزائی فرمائی، اور دوستی کا پورا حق ادا کرتے ہوئے، گاہے بہ گاہے میرے مختصر مضامین پر نظر ثانی کرتے، اور اصلاح بھی فرماتے رہتے، جس کی وجہ سے کافی حد تک لکھنے کا شعور بیدار ہوا، اور کچھ مقالے معترض وجود میں آئے، اس میں سب سے زیادہ اہمیت کا

حامل مضمون بہ نام ''اشرف العلما: جامع صفات وکمالات قرآن وحدیث کی روشنی میں'' ہے، اس مضمون کی پذیرائی اور میری حوصلہ افزائی اس طور سے ہوئی کہ اسے اشرف العلما نمبر میں جگہ دی گئی، اللہ تعالیٰ حبیب من کو دنیا وآخرت میں جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

پھر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم، برادر اکبر حضرت علامہ مولانا انوار احمد قادری دام ظلہ کی کوشش، اساتذہ، اقربا، اور احباب کی دعا سے جامعہ ازہر مصر کی سرزمین پر پہنچنے کا شرف حاصل ہوا، وہاں تعلیمی مشغولیت کی وجہ سے تین سال تک کوئی تحریر وجود میں نہ آسکی، اور ایک بار پھر تحریری وتحقیقی مقالہ پیش کرنے میں کش مکش کا شکار ہوگیا، جامعہ ازہر مصر کی سرزمین پر اسی کش مکش میں تھا کہ مضمون ''بابا رتن ہندی بحیثیت صحابی رسول'' نظر نواز ہوا، میں نے اس کے مشمولات کو محدثین وناقدین کی رائے کے خلاف پایا، جس کی وجہ سے میں نے اس کے علمی رد میں بعض مواد جمع کیے، اور محبّ گرامی وقار مولانا حامد حسین مصباحی ازہری سلمہ اللہ کو دکھایا، انہوں نے میری اس کاوش کو خوب سراہا، اور خوب حوصلہ افزائی فرمائی، گویا کہ انہوں نے زبان حال سے کہنا چاہا کہ خائف ہونے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ:

گرتے ہیں شہ سوار ہی میدان جنگ میں
وہ طفل کیا گرے جو گھٹنوں کے بل چلے

پھر میں نے ان کی اس حوصلہ افزائی کی بدولت اس مقالہ کی تکمیل کر کے ماہ نامہ ''کنز الایمان'' کے حوالے کیا، مضمون بحمد اللہ شائع ہوا، اس مضمون کی کافی پذیرائی ہوئی، اور اس طرح حدیث اور علوم حدیث پر تحریری کوششوں کا ایک سلسلہ چل پڑا، جس کی وجہ سے جامعہ ازہر شریف میں لکھے گئے انہیں بعض تحقیقی مقالات کا مجموعہ بہ نام ''تحقیقاتِ حدیث'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ عز وجل محبّ گرامی وقار کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

قارئین کرام! یہ مجموعہ حدیث وعلوم حدیث کے مختلف چھ تحقیقی مقالات پر مشتمل ہے، تحقیق کے ساتھ ان شاء اللہ قارئین کرام کو دور قدیم ودور حاضر کے بعض محققین کے ردود وشبہات کا ازالہ بھی ملے گا، سارے مقالات ان شاء اللہ قارئین کے لئے کافی مفید ثابت

ہوں گے، ساتھ ہی طالبانِ علوم نبویہ کو ان مقالات کے ذریعہ تحقیقی اسلوب سے آگاہی ہوگی، اور اعداد فہرست مراجع کی ترتیب جدید سے آشنا ہوں گے۔ میں نے ہر ایک مقالہ میں موضوع کا پورا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے، پھر بھی اگر قارئین کرام کو کوئی خطا ملے تو ازراہِ کرم ضرور آگاہ فرمائیں، ان شاء اللہ اگلی طباعت میں اس کی اصلاح یا اضافہ کر دیا جائے گا۔

ہدیہ تشکر

سب سے پہلے میں اپنے برادر بزرگوار، کرم فرماں حضرت مولانا انوار احمد امجدی قادری دام ظلہ سربراہ اعلیٰ مدرسہ امجدیہ اہل سنت ارشد العلوم اوجھا گنج بستی کا بے حد شاکر و ممنون ہوں جنھوں نے میرے تعلیمی سفر کی تکمیل میں ایک اہم رہبر کی حیثیت سے مکمل سرپرستی فرمائی، اور میں اپنے برادر محترم حضرت مولانا ابرار احمد امجدی مصباحی مدظلہ مفتی و ناظم مدرسہ امجدیہ اہل سنت ارشد العلوم کا بھی شکر گزار ہوں کہ جن کی کرم نوازی میرے تعلیمی سفر میں ہر جگہ ساتھ رہی، اللہ انہیں اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین!

اور اس موقع پر بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں جامع معقولات و منقولات حضرت علامہ مولانا مفتی شبیر احمد استاذ الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی، اپنے استاذ محترم حضرت علامہ مولانا عبد الرحمٰن مصباحی شیخ الحدیث جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، اور حضرت علامہ مولانا کوثر امام قادری استاذ دار العلوم قدوسیہ مہراج گنج دام ظلہم کا شکریہ نہ ادا کروں، جنھوں نے زیر نظر کتاب کو اپنی عظیم تقریظات و تاثرات سے مزین کر کے اس کتاب کی اہمیت کو دوبالا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں اس ناچیز کے حق میں قبول فرمائے، نیز اللہ ہمیں اور امت مسلمہ کو ان کے فیوض و برکات سے نوازے، اور صحت و سلامتی کے ساتھ ان کا سایہ ہم پر تا دیر قائم و دائم رکھے۔ آمین!

نیز میں عالی جناب سیٹھ غلام ربانی سرمہیا، بستی کا بے حد شاکر ممنون ہوں جنھوں نے اس دور جلسہ و جلوس کی ہمہ ہمی میں مالی تعاون پیش کر کے کتاب ''تحقیقات حدیث'' جیسی

تحریری اور عمدہ کاوش کو منظر عام پر لانے کی اہم ذمہ داری قبول کی، رب قدیر اس پرخلوص عمل کے بدلے ان کی تجارت میں دن دونی رات چوگنی ترقی دے، انہیں اور ان کے اہل و عیال کو دارین میں سرخ روئی عطا فرمائے، نیز اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ مزید انہیں اور دیگر اہل ثروت حضرات کو اسی طرح دینی کتابوں کی نشر واشاعت - جو دور حاضر کا اہم ترین تقاضہ ہے- میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اخیراً اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور ہمارے تمام مخلصین و محبین کو صحت و عافیت کے ساتھ لمبی عمر، اور دین متین کی اخلاص کے ساتھ زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے، اور آپسی ذاتی اختلافات سے محفوظ رکھے، نیز اس کتاب کو عامۃ المسلمین کے درمیان درجہ قبولیت عطا فرما کر اتباع حق کی توفیق دے، نیز میرے اور میرے والدین کریمین، اساتذہ، بھائی ان کی زوجہ، بہن ان کے شوہر، اور دیگر اعزا و اقربا کے لئے آخرت میں ذریعہ نجات بنائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم۔

فقیر ازہار احمد امجدی ازہری غفرلہ
فاضل جامعہ ازہر، مصر



حدیث ضعیف محدثین کی نظر میں

ایک تجزیاتی مطالعہ

ہر دین و مذہب کا کوئی نا کوئی مصدر ہوا کرتا ہے، جس کا پیروکار اپنے تمام تر امور و معاملات میں اس مصدر کی اتباع کرتا ہے، اسی طرح دین اسلام کے بھی مصادر ہیں، جس کا متبع انہیں مصادر کی طرف اپنے روزمرہ مسائل کے حل کے لئے رجوع کرتا ہے، اور یہ مصادر چار ہیں: قرآن کریم، احادیث نبویہ، اجماع اور قیاس۔ مصدر ثانی احادیث نبویہ بھی قرآن کریم کی طرح بڑی اہمیت کی حامل ہے، ان احادیث نبویہ کے بغیر قرآن کریم کا پورے طور سے سمجھنا بہت مشکل ہے، اسی وجہ سے اللہ جل شانہ نے جس طرح مصدر اول قرآن کریم کو تغیر وتحریف سے اپنے حفظ وامان میں رکھا، مصدر ثانی احادیث نبویہ کو بھی دسیسہ کاریوں سے محفوظ و مامون فرمایا، اور اس کی حفاظت کے لئے ایسے ایسے علمائے حدیث، حفاظ اور نقاد پیدا کئے، جنھوں نے احادیث مبارکہ کو وضاعین وکذابین کے ناپاک عزائم سے مامون رکھنے کے لئے ہر ممکنہ کوشش کی، ہر غالی ورخیص ان کی حفاظت کے لئے خرچ کئے، ان کو قبول کرنے اور نہ کرنے کے تعلق سے اصول وقوانین وضع کئے، اور پھر انہیں اصول وقوانین کے پیش نظر احادیث کی تین قسمیں کیں:

حدیث صحیح، حدیث حسن، حدیث ضعیف۔

پہلی دو قسمیں: حدیث صحیح وحدیث حسن متفقہ طور پر مقبول قرار پائیں، رہی آخری قسم حدیث ضعیف تو وہ علمائے حدیث کے نزدیک مختلف فیہ رہیں۔ جمہور علما و محدثین اور فقہائے کرام اس بات کے قائل ہوئے کہ عقائد اور احکام وغیرہ میں احادیث ضعیفہ مقبول نہ ہوں گی، البتہ فضائل اعمال، مغازی، سیر، اور ترغیب وترہیب کے باب میں ان احادیث کو قبول

کیا جائے گا، اسی کے پیش نظر بڑے بڑے نقاد وحفاظ نے ان ابواب میں ضعفا سے بھی حدیثیں قبول کیں، اور یہ آج کی پیداوار نہیں، اس بات کو تو خیر القرون کے بڑے بڑے علمائے حدیث نے بھی تسلیم کیا ہے، چناں چہ دوسری صدی کے امام و حافظ سفیان بن سعید ثوری (ت ۱۶۱)، عبداللہ بن مبارک (ت ۱۸۱)، سفیان ابن عیینہ (ت ۱۹۸) اور دوسری، تیسری صدی کے امیر المومنین فی الحدیث یحییٰ بن معین (ت ۲۳۳) رحمہم اللہ اسی فکر کے علمبر دار تھے، اور یہی فکر صحیح بھی ہے۔ مگر ناصر الدین البانی اور اس کے جیسے بعض متاخرین کو یہ صحیح فکر راس نہ آئی، اور احادیث ضعیفہ کو اپنے تشدد و تعنت کا شکار بنایا، اور بہت ساری ضعیف حدیثوں کو موضوع قرار دے دیا، جو یقیناً خطا اور بے جا تعنت کے سوا کچھ نہیں۔ دورِ حاضر میں بھی بعض علما کو اس تشدد کی ہوا لگ گئی اور وہ ضعیف و منکر پر فضائل کے باب میں عمل کرنے سے منع کرنے لگے، جن کی فکر 'البانی' کے شذوذ و تشدد سے خفیف ضرور ہے مگر اس تعنت کے لوا کا حامل ضرور ہے۔

اسی لئے میں یہاں پر احادیث ضعاف پر فضائل کے باب میں عمل کرنے کے تعلق سے محدثین کے مذاہب، اور اس کی ایک خاص قسم 'حدیث موضوع' کو شرح وبسط اور نقد کے ساتھ بیان کرنے کے بعد خلاصۂ کلام ذکر کروں گا، تا کہ شواہد و براہین کی بنیاد پر تردد و تذبذب کے دلدل میں پھنسے حضرات یقین واطمینان کے گہوارے میں پناہ حاصل کرسکیں، اور ایسے امر سے دست برداری کی کوشش نہ کریں جس پر عمل کرنا محدثین کرام وفقہائے عظام کا اجماعی مسئلہ ہے، یا کم از کم جمہور اس پر عمل کرنے کے قائل ہیں، اور اہل ہوش وخرد، اصحابِ حل وعقد اور دیگر حضرات انہیں دلائل کی بنیاد پر یہ فیصلہ کرسکیں کہ احادیث ضعاف اور کثرت خطا وغیرہ کی وجہ سے شدید ضعیف حدیثوں پر عمل کرنا غلط ہے یا صحیح، اور یہ طے کر سکیں کہ حدیث موضوع کب ہوگی۔ پہلے احادیث ضعاف قبول کرنے اور نہ کرنے کے تعلق سے مذاہب کی تفصیل پیش خدمت ہے، پھر ان شاء اللہ اس کی ایک خاص قسم ''حدیث موضوع'' کے بارے محدثین کرام کی آرا ذکر کروں گا۔ ارجو اللّٰہ ان یھدینی سواء الطریق بجاہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

احادیث ضعیفہ پر عمل کرنے کے متعلق مذاہب

پہلا مذہب:

جمہور علماءِ محدثین کے نزدیک احادیث ضعاف فضائل کے باب میں معتبر ہیں، بلکہ امام نواوی رحمۃ اللہ نے اس پر اجماع کا قول نقل کیا ہے، اس مذہب کی دو فرعیں ہیں:

فرعِ اول:

احادیث ضعیفہ جو موضوع کے قبیل سے نہیں وہ فضائل اعمال میں بغیر کسی قید کے مطلقاً مقبول ہوں گی، اکثر علما اسی کے قائل ہیں، امام نواوی رحمہ اللہ اور دیگر بہت سارے محدثین نے حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لئے 'عدم ضعف شدید' کی شرط سے مقید نہیں کیا ہے۔

فرعِ ثانی:

موضوع کے علاوہ احادیث ضعیفہ پر مطلقاً عمل نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کے لئے چند شرطوں کا تحقق ضروری ہے، اس کے قائل حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ہیں۔

شرطِ اول:

راوی میں ضعف شدید نہ ہو، لہٰذا کذاب، یا جس پر جھوٹ کی تہمت لگی ہو، یا وہ شخص جو غلطی زیادہ کرتا ہو، اگر کسی حدیث کو تنہا روایت کرے تو فضائل کے باب میں بھی اس کی حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا، علامہ صلاح الدین علائی رحمہ اللہ نے اس شرط پر اتفاق کا قول کیا ہے۔

شرطِ ثانی:

حدیث ضعیف کسی معمول بہ اصل کے تحت داخل ہوتی ہو۔

شرطِ ثالث:

احتیاط کے طور پر اس حدیث ضعیف پر عمل کرے اور اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھے۔

(فتح المغیث للسخاوی، ج۱ص۲۴۴)

دوسرا مذہب:

بعض دیگر علما کی رائے یہ ہے کہ فضائل اعمال وترغیب وترہیب اور احکام وغیرہ میں احادیث ضعاف پر مطلقاً عمل نہیں کیا جائے گا، اس رائے کے ماننے والے امام ابوبکر بن العربی وابن حزم ظاہری رحمہما اللہ ہیں۔

تیسرا مذہب:

بعض علما اس بات کے قائل ہیں کہ اگر احادیث ضعیفہ کا ورود محل احتیاط میں ہو تو اس پر عمل کرنا بہتر ہے۔(تدریب الراوی للسیوطی، النوع الثانی و العشرون، ص۲۵۸)

چوتھا مذہب:

احادیث ضعاف احکام میں قیاس پر مقدم ہوں گی، اس کے قائل امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ہیں، یعنی اگر کسی مسئلہ میں صحیح حدیث نہ ہو اور اس کے جواز اور عدم جواز میں احادیث ضعاف اور قیاس کے درمیان اختلاف ہو تو احادیث ضعاف پر عمل کریں گے اور قیاس کو چھوڑ دیں گے، ان کے علاوہ، امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک بن انس، اور امام محمد بن ادریس شافعی رحمہم اللہ کا بھی بعض احادیث ضعیفہ پر عمل رہا ہے۔

(فتح المغیث، ج۱ص۲۴۴، حاشیۃ الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ لمحمد عبد الحی اللکنوی، ص۴۸، ۴۹، بحوث فی علوم الحدیث، ص۱۰-۲۹)

پہلے دو مذاہب پر قدرے تفصیلی گفتگو

یہاں پر پہلے دو مذاہب پر قدرے تفصیلی گفتگو کروں گا اور باقی کو آیندہ کے لئے مؤخر کئے دیتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

پہلا مذہب:

جس کی دو فرعیں ہیں:

فرع اول، فرع ثانی

پہلے مذہب کی فرعِ اول:

اس مذہب کے ماننے والے علما اور ان کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) امام نووی رحمہ اللہ 'الاذکار' میں فرماتے ہیں:

''علما و محدثین اور فقہائے کرام اس بات کے قائل ہیں کہ: حدیث ضعیف اگر موضوع نہ ہو تو فضائل اعمال اور ترغیب وترہیب کے باب میں اس پر عمل کرنا مستحب ہے۔'' (فتح المغیث ، ج۱ص۲۴۴)

(۲) امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی متعدد تصانیف میں فضائل کے باب میں احادیث ضعاف معتبر ہونے کے بارے میں 'عدم ضعف شدید' کی قید کے بغیر محدثین اور دیگر علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔''

(الاذکار للنووی، ص۷،ثالث فصول المقدمة)

(۳) صاحب الحلیة شرح المنیة فرماتے ہیں:

''حدیث ضعیف پر فضائل اعمال میں عمل کرنا درست ہے، اس شرط کے ساتھ کہ اس کا انحطاط موضوع کی حد تک نہ ہو، اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔''

(الھاد الکاف لاحمد رضا البریلوی، نقلاً عن الحلیة شرح المنیة، ص۹۴)

(۴) خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''محدثین وغیرہ کے نزدیک ضعیف سندوں میں تساہلی برتنا، موضوع کے علاوہ ضعیف حدیثوں کی روایت کرنا، اور فضائل اعمال وغیرہ میں ان پر عمل کرنا جائز ودرست ہے، البتہ اس طرح کی حدیثیں صفاتِ باری تعالیٰ اور حرام وحلال کے باب میں معتبر نہ ہوں گی۔''

(تدریب الراوی، النوع الثانی و العشرون، ص۲۵۸)

(۵) امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''محدثین کی عادت ہے کہ وہ احکام وعقائد کے علاوہ فضائل اعمال وغیرہ میں

احادیث ضعاف میں تساہلی سے کام لیتے ہیں، اس شرط کے ساتھ کہ وہ حدیثیں موضوع نہ ہوں۔''

(الهاد الكاف ص۱۲۹، نقلاً عن شرح المواهب الدنيه)

(۶) امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امام ترمذی رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ 'اگر کوئی ایسا راوی جس پر جھوٹ کی تہمت لگائی گئی ہو، یا غفلت اور کثرت خطا کی وجہ سے حدیث میں ضعف ہو، اور پھر وہ کسی حدیث کی روایت کرنے میں منفرد ہو، تو اس کی حدیث قابل احتجاج نہیں' ان کی مراد اس قول سے یہ ہے کہ ایسے اوصاف سے موصوف رجال کی حدیثیں احکام شرعیہ میں معتبر نہیں۔ البتہ اگر اس قسم کے راوی ترغیب وترہیب میں روایت حدیث کریں تو معتبر ہوگی، چناں چہ بہت سارے ائمہ اعلام نے اس کی رخصت دی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

(۷) امام سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

حرام وحلال میں احادیث انہیں لوگوں سے اخذ کرو جو اس فن کے امام ہیں، جو زیادتی اور کمی کو خوب جانتے ہیں، ہاں اگر احادیث مسائل حرام وحلال سے ہٹ کر فضائل اعمال وغیرہ سے ہوں، تو مشائخ سے روایت کرنے اور ان سے احادیث لینے میں کوئی حرج نہیں۔

(۸) امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عبدہ نے ہم سے روایت کی، وہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ کی بات ہے، امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے کسی شخص سے حدیث روایت کی، تو آپ سے کہا گیا کہ یہ شخص تو ضعیف ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اس طرح کی روایتیں اس سے لی جاسکتی ہیں۔ امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے عبدہ سے پوچھا: وہ کس طرح کی روایتیں تھیں؟ تو انھوں نے فرمایا: ادب، موعظہ اور زہد کے بارے میں تھیں۔'' (شرح علل الترمذی، لابن رجب الحنبلی، ص۷۶)

(۹) امام ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''موضوع کے علاوہ فضائل اعمال میں وارد حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے گا۔'' (فتح القدیر، ج۲ص۱۷۸، باب الامامة)

(۱۰) حافظ المغرب امام ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''تمام محدثین فضائل میں اس حد تک تساہلی کرتے ہیں کہ اس باب میں ہر ایک سے حدیثیں لے لیتے ہیں، ہاں اگر حدیثیں احکام میں ہوتی ہیں تو اس میں تشدد سے پیش آتے ہیں۔''

(جامع بیان العلم و فضله لابن عبد البر، ج۱ص۵۳، باب تفضیل العلم علی العبادة)

(۱۱) امام علامہ علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''علما کا اتفاق ہے کہ ضعیف حدیث پر جن کا ورود فضائل اعمال میں ہوا ہے عمل کیا جائے گا۔'' (الاسرار المرفوعة، ص۳۱۵، رقم الحدیث:۴۴۴)

(۱۲) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب ہم احکام میں حدیثیں روایت کرتے ہیں تو اس میں شدت، اور فضائل وغیرہ میں تساہلی سے کام لیتے ہیں۔''

(تدریب الراوی، النوع الثانی و العشرون، ص۲۵۸)

(۱۳) اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر فسق وغیرہ کی وجہ سے راوی متروک ہو اور ساتھ ہی وہ کذب سے بری ہو تو اس کی حدیث احکام میں معتبر نہیں ہوگی، ہاں فضائل کے باب میں راجح یہی ہے کہ اس کی حدیث مطلقاً مقبول ہوگی اگرچہ وہ اس حدیث کے روایت کرنے میں منفرد ہو، اور بعض کے نزدیک تعدد طرق کے بعد قابل اعتبار ہوگی۔'' (الهاد الکاف فی حکم الضعاف، ص۴۴)

ان علمائے حدیث کے علاوہ دیگر علما و محدثین کے اسما جو فضائل اعمال وغیرہ میں موضوع کے علاوہ حدیث ضعیف کو بغیر کسی شرط کے مطلقاً معتبر مانتے ہیں، یا یہ کہ ان کے

اقوال میں 'عدم ضعف شدید' کی شرط مذکور نہیں، اور وہ یہ ہیں:

- امام ابن مہدی
- ابن معین
- سفیان ابن عینیہ
- ابوداود صاحب السنن
- عبدالغنی نابلسی
- شہاب الدین خفاجی مصری
- ابوطالب مکی
- ابن تیمیہ
- زین الدین عراقی
- بدرالدین زرکشی
- ابن حجر مکی
- ابوزکریا عنبری رحمہم اللہ وغیرہم

مَیں نے طوالت کے خوف سے یہاں صرف نام شمار کرنے پر اکتفا کیا ہے، ان کے اقوال کی مزید تفصیل کے خواہاں حضرات ان کتابوں کی طرف رجوع کریں:

- شرح علل الترمذی
- تدریب الراوی
- الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية
- نسیم الریاض
- شرح المشکاۃ لابن حجر المکی
- الخلاصۃ فی احکام الحدیث الضعیف
- فتح المغیث للعراقی
- فتح المغیث للسخاوی

- قوت القلوب
- الہادا لکاف وغیرہ

پہلے مذہب کی فرعِ ثانی:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ترغیب وترہیب میں وارد شدہ احادیث ضعاف پر مطلقاً عمل کرنا جائز نہیں، ان پر عمل کرنے کے لئے تین شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے: شرط اول: راوی میں ضعف شدید نہ ہو، لہٰذا کذاب، یا جس پر جھوٹ کی تہمت لگی ہو، یا وہ شخص جو غلطی زیادہ کرتا ہو، اگر کسی حدیث کو تنہا روایت کرے تو فضائل کے باب میں بھی اس کی حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا، علامہ صلاح الدین علائی رحمہ اللہ نے اس شرط پر اتفاق کا قول کیا ہے۔

اس شرط کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس پر تفصیلی کلام کیا جائے، ملاحظہ فرمائیں:

یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ علامہ علائی رحمہ اللہ کا صرف قول ملتا ہے جنہوں نے حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لئے 'عدم ضعف شدید' کی شرط لگا کر اس پر اتفاق کا قول کیا ہے، انہیں کے قول کو خاتم الحفاظ امام سیوطی رحمہ اللہ نے ''تدریب الراوی'' میں، اور امام سخاوی رحمہ اللہ نے ''القول البدیع'' میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔ مجھے ان کے علاوہ کسی اور کا قول اس شرط کے ذکر کے ساتھ نہیں ملا، ہاں اس کے برخلاف امام نواوی رحمہ اللہ جو علامہ علائی رحمہ اللہ سے متقدم ہیں، انہوں نے بغیر 'عدم ضعف شدید' کی قید کے حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے بارے میں اجماع کا قول کیا ہے، نیز امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی کسی کتاب میں اس شرط کا ذکر نہیں کیا، بس اسی پر اکتفا کیا کہ حدیث ضعیف فضائل میں ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا، چناں چہ خاتم الحفاظ امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ابن الصلاح رحمہ اللہ نے 'مقدمہ' میں اور امام نواوی رحمہ اللہ نے اپنی ساری کتابوں میں حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لئے صرف ایک شرط ذکر کی ہے،

اور وہ یہ کہ فضائل کے باب میں ہو وبس۔"

(تدریب الراوی، النوع الثانی و العشرون، ص۲۵۸)

حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لئے اگر 'عدم ضعف شدید' کی شرط ہوتی تو ابن صلاح اور امام نواوی رحمہما اللہ اور دیگر محدثین و ناقدین اس شرط کے ذکر کرنے کا التزام ضرور کرتے، کیوں کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ محدثین کا کسی شرط پر اتفاق ہو اور وہ اس کے موقع و محل پر بیان کرنے سے گریز کریں۔

مطلقاً شدید ضعیف نہ ہونے کی قید معتبر نہیں

لہٰذا کیا علامہ علائی رحمہ اللہ کے قول سے اتفاق کیا جاسکتا ہے؟ اگر گہرائی، گیرائی اور دقت نظری سے دیکھا جائے تو حقیقت یہی کھل کر سامنے آتی ہے کہ ان کے قول سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا، اور نہ ہی یہ قبول کیا جاسکتا ہے کہ فضائل کے باب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ شدید ضعیف نہ ہو، اس کی چند وجوہات ہیں:

پہلی وجہ:

مذہب اول کی فرع اول کے بڑے بڑے محدثین وفقہائے کرام وعلمائے عظام کے اقوال و آراء اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ احادیث ضعاف فضائل کے باب میں اگر موضوع نہ ہو تو بغیر کسی شرط وقید کے معتبر ہیں۔

دوسری وجہ:

اسی طریقہ کار پر محدثین وغیرہ کا اجماع بھی ہے جیسا کہ امام نواوی رحمہ اللہ نے اسی کی طرف بغیر 'عدم ضعف شدید' کی قید کے اپنی مصنفات میں اشارہ فرمایا ہے۔

تیسری وجہ:

علامہ علائی رحمہ اللہ نے اگرچہ اس شرط پر اتفاق کا قول نقل کیا ہے، مگر ان کا عمل خود اس شرط کے خلاف ہے، چناں چہ علامہ علائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''راوی 'الحکم بن سعید سعدی' کو'امام ابوالفتح محمد بن حسین ازدی' وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔اور امام بخاری فرماتے ہیں: وہ 'منکر الحدیث' ہیں، پھر بھی اس راوی کی روایت کو'زکریا بن منظور' کی روایت کے لئے متابع مانا جا سکتا ہے۔'' (اللآلی المصنوعۃ للسیوطی، ج ا ص ۲۳۸)

دور جدید کے محققین توجہ فرمائیں! امام المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'حکم بن سعید سعدی' منکر الحدیث ہیں، جس کا معنی عموماً یہی سمجھا جاتا ہے کہ جس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ 'منکر الحدیث' فرمادیں، اس سے حدیث روایت کرنا جائز نہیں، جیسا کہ ان کی طرف یہ قول منسوب بھی ہے، چہ جائے کہ اس کو کسی راوی کی حدیث کے لئے متابع مانا جائے، مگر امام المحدثین کی اس جرح کے باوجود بھی حافظ علائی رحمہ اللہ نے 'حکم بن سعید سعدی' کی روایت کو'زکریا بن منظور' کی روایت کے لئے متابع مانا۔

چوتھی وجہ:

جب ہم امام ابن حجر رحمہ اللہ کے نقد وکلام کی طرف رجوع کرتے ہیں، تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ آپ کا عمل اپنی ذکر کردہ شرط کے خلاف ہے، چنانچہ بعض احادیث کے بارے میں جس کا راوی غلط فاحش کا شکار ہوتا ہے، بلکہ موضوعات روایت کرنے سے 'متہم' ہوتا ہے، اس کے بارے میں آپ فرماتے ہیں:

''فضائل اعمال اور ترغیب وترہیب کے باب میں ان کی حدیث قابل عمل اور معتبر ہے۔''

محض دعویٰ نہ رہے اس لئے ذیل میں اس کی مثال پیش خدمت ہے:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مصنف ''مسند'' میں فضیلت عسقلان کے بارے میں ایک حدیث روایت کی ہے، جس کی سند میں ایک راوی 'ابوعقال ہلال بن زید' ہیں، ان کی ایک حدیث کو امام عبدالرحمٰن بن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی موضوعات میں شمار کیا ہے، کیوں کہ مذکور راوی کے بارے میں ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ابوعقال ہلال بن زید حضرت انس رضی اللہ عنہ سے موضوع حدیثیں روایت کرتے ہیں۔''

امام ابن حجر رحمہ اللہ تعقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ حدیث فضائل اعمال اور رباط پر تحریص کے لئے ہے، اور اس حدیث میں کوئی ایسی چیز بھی نہیں جو شرعاً یا عقلاً محال ہو، لہٰذا اس حدیث کو صرف اس وجہ سے باطل کہنا کہ اس کے راوی 'ابوعقال' ہیں درست نہیں، خاص طور سے اس صورت میں جب کہ معروف ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فضائل میں تساہل کے قائل ہیں۔'' (اللآلئ المصنوعة، ج۱ص۴۲۱)

اسی 'ابوعقال ہلال بن زید' کے بارے میں امام بن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا:

''متروک' ہیں، اور ان کے نزدیک متروک وہ ہے جو متہم بالکذب ہو۔''

(تقریب التهذیب، ص۶۸۳)

قارئین کرام! غور فرمائیں، اس تمام جرح وقدح کے بعد بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا:

''یہ حدیث فضائل اعمال میں ہے اس لئے اس پر بطلان کا حکم لگانا درست نہیں۔''

اس سے صاف واضح ہے کہ آپ 'متہم بالوضع' کی روایت کو فضائل میں معتبر مانتے ہیں چہ جائے کہ وہ غلط فاحش میں مبتلا ہو۔

پانچویں وجہ:

جن بعض محدثین کرام نے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ سے یہ عبارت نقل کی ہے ان کا عمل بھی خود اس شرط کے خلاف ہے، چناں چہ جب ابن جوزی رحمہ اللہ نے، حدیث انس رضی اللہ عنہ ((ستفتح علیکم بالآفاق)) حدیث فضل قزوین کو اپنی کتاب 'الموضوعات' میں ذکر کی اور اس پر نقد فرمایا کہ اس کی سند میں ایک راوی 'داؤد بن محبر' وضاع ہیں، اور دوسرے 'الربیع بن صبیح' ضعیف، اور تیسرے 'یزید بن ابان' متروک ہیں۔

ان کے اس کلام پر خاتم الحفاظ امام سیوطی رحمہ اللہ، جنہوں نے حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لئے 'عدم ضعف شدید' ہونے کی شرط کو اپنی کتاب ''تدریب الراوی'' میں ذکر کیا ہے' تعقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی 'سنن' میں ذکر کیا ہے، اور امام مزی رحمہ اللہ 'تہذیب الکمال' میں فرماتے ہیں: یہ حدیث منکر ہے، 'داود' کے علاوہ کسی اور کی روایت سے معروف نہیں، اور منکر ضعیف کی قسم سے ہے جو فضائل میں محتمل ہوتی ہے۔'' (النکت البدیعات للسیوطی، ص ۳۲۱)

یہ مثال ان محققین کے لئے ہے جو منکر الحدیث کو انتہائی شدید ضعیف مانتے ہیں، ورنہ میرے نزدیک اس کے قائل کی طرف نظر کرتے ہوئے منکر الحدیث کے متعدد مراتب ہیں، ان شاء اللہ اس کا مفصل بیان حدیث "اطلبوا العلم و لو بالصین" کی تحقیق میں آئے گا۔

امام سخاوی رحمہ اللہ نے بھی حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لئے 'عدم ضعف شدید' ہونے کی شرط کو اپنی کتاب ''القول البدیع'' میں ذکر کیا ہے، اور اس پر امام علائی رحمہ اللہ کے اتفاق کا قول بھی نقل فرمایا ہے۔ اس کتاب کے محقق ''محمد عوامہ'' اس پر تعلیق لگاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس اتفاق کے دعویٰ پر نظر طویل ہے، اللہ جل شانہ سے امید کرتا ہوں کہ جلد ہی کسی مناسب مقام پر اس پر تفصیلی کلام کرنے کا موقع عنایت فرمائے، اور پھر رہنمائی فرمائی کہ خود مصنف سخاوی رحمہ اللہ کا عمل اس شرط کے خلاف ہے، چناں چہ امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث دعاء الحاجة بہت ضعیف ہے، فضائل اعمال میں لکھی جائے گی۔'' (القول البدیع للسخاوی، ص ۴۹۷)

یہ پانچوں وجہیں بہترین شاہد عدل ہیں میرے اس قول پر کہ ''علامہ علائی رحمہ اللہ کے قول سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا، اور نہ ہی یہ قبول کیا جا سکتا ہے کہ فضائل کے باب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ شدید ضعیف نہ ہو''، نیز کم از کم یہ بھی واضح ہو گیا کہ اگر راوی کی کثرت خطا، غفلت یا فسق کی وجہ سے حدیث شدید ضعیف ہو تو بھی

وہ حدیث فضائل کے باب میں مقبول ہوگی۔اور رہی یہ بات کہ اگر راوی کذاب یا متہم بالکذب وغیرہ ہوتو حدیث کا کیا حکم ہوگا،تو اس کا حکم بحث کے اخیر میں آئے گا۔

دوسرا مذہب:

دو چند علما و محدثین اس بات کے قائل ہیں کہ ترغیب و ترہیب اور احکام وغیرہ کسی بھی باب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز نہیں،اس رائے کے قائلین کے اسما یہ ہیں:

امام یحی بن معین

ابوبکر ابن عربی

ابن حزم ظاہری

اور مسلم بن حجاج رحمہم اللہ

(بحوث فی علوم الحدیث للدکتور الخشوعی الخشوعی، ص۲۲)

ابن سید الناس رحمہ اللہ نے 'عیون الاثر' میں امام یحیٰ بن معین رحمہ اللہ کی طرف اس قول کو منسوب کیا ہے۔(قواعد التحدیث من فنون علوم الحدیث للقاسمی، ص۱۱۶)

گویا کہ ان کے حدیث ضعیف کے تعلق سے دو مختلف اقوال ہیں،ایک یہ کہ ضعیف حدیث فضائل میں معتبر ہے،جیسا کہ مذہب اول کی فرع اول میں گزرا،اور دوسرا یہ کہ حدیث ضعیف فضائل و احکام وغیرہ کسی میں بھی معتبر نہ ہوگی،مگر پہلا قول ہی راجح ہے، کیوں کہ وہی قول جمہور محدثین و فقہا کی آرا کے موافق ہے۔

ابن حزم ظاہری فرماتے ہیں:

''اگر حدیث کی سند میں کوئی ایسا راوی ہو جس پر جرح کذب یا غفلت یا مجہول الحال ہونے کی وجہ سے کی گئی ہو تو اس کی روایت لینا ہمارے نزدیک جائز نہیں۔''

(قواعد التحدیث من فنون علوم الحدیث، ص۱۱۶)

امام عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ابن عربی رحمہ اللہ نے حدیث ضعیف پر عمل کرنے سے مطلقاً منع فرمایا ہے۔''

(الاجوبة الفاضلة، ص۵۲)

حالاں کہ صحیح یہ ہے کہ آپ بھی حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے قائل تھے۔

(حاشیۃالقول البدیع للسخاوی، ص۴۹٦)

امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'صحیح' کے مقدمہ میں جو منہج اختیار کیا ہے، اس سے یہی ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک ترغیب وترہیب کی حدیثیں انہیں سے لے سکتے ہیں جن سے احکام کی حدیثیں لی جاتی ہیں۔''

(شرح علل الترمذی لابن رجب، ص۷۷)

یعنی جس طرح احکام حلال وحرام کے راویوں کا ثقہ، ثبت یا صدوق ہونا ضروری ہے، اسی طرح ترغیب وترہب کے راویوں کا بھی ان اوصاف حمیدہ سے متصف ہونا ضروری ہے۔ بس یہی دو تین محدثین ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ حدیث ضعیف پر بالکل عمل نہیں کیا جائے گا، اور مسلم بن حجاج رحمہ اللہ صاحب الصحیح کے قول سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔

اگر امام نووی رحمہ اللہ کے قول کو لیا جائے، اور یہ مان لیا جائے کہ فضائل اعمال وغیرہ میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا اجماع فقہا ومحدثین سے ثابت ہے، تو ان دو تین محدثین کے اقوال جو منع کے قائل ہیں، اس باب میں معتبر نہ ہوں گے، اور اگر کوئی اس بات پر اتفاق نہ کرے تو کم از کم اسے اتنا ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ جماہیر علما ومحدثین اس بات کے قائل ہیں کہ احادیث ضعیفہ فضائل کے باب میں معتبر ہیں، اور ظاہر ہے کہ جمہور علما کا غلطی سے بعید ہونا اتنا ہی ممکن ہے جتنا کہ دو تین علما کا غلطی سے قریب ہونا، یہی وجہ ہے کہ آج تک علمائے کرام دو چند کے شذوذ کا اعتبار نہ کیے، اور جمہور علما کے نقش قدم پر قائم و دائم رہے، اور یہی عقل مندی اور دانش مندی ہے۔

حدیث موضوع کب ہوگی؟

حدیث کے موضوع ہونے کے لئے محدثین کرام نے کچھ اصول وضوابط بیان کئے

ہیں، جن میں سے کسی ایک کا حدیث کے موضوع ہونے کے لئے پایا جانا ضروری ہے، ایسا نہیں ہے کہ ہوس کی پیروی کی اور جس حدیث کو چاہا جب چاہا موضوع قرار دے دیا، انہیں ضوابط میں سے ایک ضابطہ یہ بھی ہے کہ اس حدیث میں علامات وضع میں سے کوئی ایک علامت پائی جائے، یہاں پر موضوع کی مناسبت سے، علامات وضع اختصار کے ساتھ ذکر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں!

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(۱) کوئی حدیث اگر: قرآن عظیم یا سنت متواترہ یا اجماع قطعی یا صریح عقل یا صریح حس یا تاریخ یقینی جو تاویل وتطبیق کا احتمال نہیں رکھتی، ان میں سے کسی ایک کے بھی خلاف ہو تو وہ حدیث موضوع ہوگی۔

(۲) یا حدیث کا معنی قبیح ہو جس کا حضور ﷺ سے صدور ممکن نہیں۔

(۳) یا حدیث ایسے امر پر مشتمل ہو کہ اگر اس کا وقوع ہو تو لوگوں کے درمیان مشہور و معروف ہو جائے مگر پھر بھی ایک روایت کے علاوہ کوئی دوسری روایت موجود نہیں۔

(۵) یا روایت فعل حقیر کی وجہ سے کثیر مدح، یا امر صغیر کی وجہ سے شدید مذمت پر مشتمل ہو جس کا حضور ﷺ کے کلام سے تشابہ نہ ہو۔

(۶) یا حدیث کے الفاظ رکیک وسخیف ہوں کہ طبع سلیم اس کو قبول نہ کرے، اور راوی اس بات کا مدعی ہو کہ بعینہ یہ حضور ﷺ کے الفاظ ہیں۔

(۷) یا ایسی حدیث جو اہل بیت سے تعلق رکھتی ہے، جس کا ناقل رافضی ہے، اور وہ حدیث اس رافضی کے علاوہ کسی اور سے مروی نہیں۔

(۸) یا قرائن حالیہ اس پر دال ہوں کہ آدمی نے غصہ یا لالچ کی وجہ سے فوری طور پر روایت گھڑی ہے۔

(۹) یا یہ روایت استقرائے تام کے بعد کتب اسلامیہ میں نہ پائی جاتی ہو۔

(۱۰) یا یہ کہ واضع خود حدیث وضع کرنے کا اقرار کر لے۔ (الھاد الکاف، ص ۶۸۔۸۱)

تقریباً یہی علامات وضع دکتور الخشوعی الخشوعی صاحب نے بھی اپنی کتاب "بحوث في علوم الحديث" میں ذکر کی ہیں، جو كلية اصول الدين کے سنة ثانية میں داخل نصاب ہے۔

اگر علامت وضع نہ پائی جائے تو؟

اگر مذکورہ بالا علامات وضع میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو وہ روایت موضوع ہو گی یا نہیں اس مسئلہ میں محدثین کرام کے تین مذاہب ہیں:

پہلا مذہب:

امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"صرف کذاب بلکہ وضاع کسی حدیث کے روایت کرنے میں متفرد ہو تو اس حدیث کو موضوع قرار نہیں دیا جائے گا، اگر چہ کوئی مدقق، ناقد و حافظ، فن حدیث میں درک رکھنے والا ماہر تام اپنی جہد مسلسل اور تفتیش کامل کے بعد یہ کہے کہ فلاں وضاع نے صرف یہ حدیث روایت کی ہے، کیوں کہ استقرائے تام اس بات کو لازم نہیں کہ حدیث موضوع ہو، یا صرف وضاع ہی نے اس حدیث کو روایت کیا ہو، بلکہ حدیث کے موضوع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ علامات وضع میں سے کوئی ایک علامت پائی جائے۔"

(فتح المغيث للسخاوي، ج۱ص۲۱۵)

دوسرا مذہب:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"کذاب اور وضاع جس کا کذب وافترا حضور ﷺ پر قصدا ثابت ہو چکا ہو، اگر ایسا شخص کوئی حدیث روایت کرے تو اس کے بارے میں ظن غالب کے اعتبار سے کہا جائے گا کہ اس کی روایت موضوع ہے، اور اگر اس کا کذب و افترا قصدا ثابت نہ ہو مگر وہ متہم بالکذب یا متہم بالوضع ہو تو اس کے بارے میں

نہیں کہا جائے گا کہ اس کی روایت موضوع ہے، ہاں ایسا راوی متروک ضرور ہوگا۔" (نزهة النظر شرح نخبة الفكر، ص۴۸)

تیسرا مذہب:

اور بعض دیگر علما و محدثین کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی متہم بالکذب یا متہم بالوضع کسی روایت میں منفرد ہو تو وہ روایت موضوع قرار پائے گی۔ چناں چہ امام زرکشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اگر 'موسی بن عبد العزیز' کا مجہول ہونا ثابت ہو جائے پھر بھی حدیث موضوع نہیں ہوگی جب تک کہ سند میں کوئی راوی متہم بالوضع نہ ہو۔"

(اللآلئ المصنوعة للسيوطي، ج۲ص۳۸)

خاتم الحفاظ امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اگر چہ 'عبدالرحمٰن بن ابوبکر ملیکی' 'متروک' ہیں، مگر وہ متہم بالکذب نہیں کہ ان کی حدیث کو موضوعات سے شمار کیا جائے۔"

(النكت البديعات للسيوطي، ص۱۸۲)

خلاصۂ کلام

فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے تعلق سے مختلف مذاہب ہیں:

پہلا مذہب جس کی دو فرعیں ہیں:

فرع اول: محدثین اور فقہائے کرام کا اجماع یا کم از کم جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ ضعیف حدیث اور کثرت خطا وغیرہ کی وجہ سے ضعیف شدید حدیث پر عمل کرنا جائز و مستحسن ہے۔

فرع ثانی: امام علائی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ شدید ضعیف نہ ہو، اور اس پر اتفاق کا قول کیا ہے، مگر اس شرط پر اتفاق کا قول غیر مقبول ہے، کیونکہ امام نواوی رحمہ اللہ اور دیگر ڈھیر سارے محدثین کی آراء جنہوں

نے حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لئے 'عدم ضعف شدید' کی قید نہیں لگائی ہے، اس اتفاق کے قول کو مخدوش کردیتی ہے، نیز خود امام علائی، ابن حجر عسقلانی، جلال الدین سیوطی اور سخاوی رحمہم اللہ جنہوں نے یہ قید یا شرط ذکر کی ہے ان کا عمل اس کے خلاف ہے۔

دوسرا مذہب: دو تین علمائے کرام اس امر کے قائل ہیں کہ حدیث ضعیف پر مطلقاً عمل کرنا درست نہیں۔ مگر راجح اور صحیح جمہور ہی کا مذہب ہے۔

محقق عصر کا تعاقب

لہٰذا جس نے بھی 'حدیث ضعیف' یا مطلقاً 'شدید ضعیف' پر عمل نہ کرنے کی رغبت دلائی، وہ اپنی اس فکر میں خاطی اور غیر مصیب ہے، شہید علامہ اسید الحق عاصم قادری رحمہ اللہ تعالی کا مقالہ 'تقریروں میں موضوع روایات ایک لمحہ فکریہ' پڑھنا میسر آیا تھا، ان کی یہ پیش قدمی اچھی کہی جائے گی، 'احادیث موضوعہ' پر اصلاح کی غرض سے لکھنے کی ضرورت ہے، مگر اس کے ضمن میں منہج علمی سے انحراف کر کے علمائے کرام پر جملے کسنا، یا احادیث ضعیفہ شدیدہ، اور غیر شدیدہ کو موضوعات سے شمار کرنا، یا اس سے دست بردار ہونے کی رغبت دلانا، یا تشدد و تعنت برتنا، یا اس کے لئے راہ ہموار کرنا، یقیناً غیر سلیم ہے، چنانچہ صاحب مقالہ اپنے گمان کے مطابق ہندوستان کے بعض افراد کی اصلاح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ابھی کچھ دن پہلے ہمارے ایک محترم بزرگ نے مجھ سے کچھ حدیثوں کی تحقیق چاہی، میں نے ان کی مطلوبہ حدیثوں کی تخریج کردی، اور ساتھ میں یہ بھی کہہ دیا کہ ان میں فلاں فلاں حدیث ضعیف و منکر ہے، اس کو آپ بیان نہ ہی کریں تو بہتر ہے، اس پر انہوں نے جو جواب دیا وہ ہمارے عام ذہن، اور مزاج کی عکاسی کرتا ہے، انہوں نے فرمایا کہ: ارے تو کیا ہوا ان سے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ہی تو ثابت ہو رہی ہے، کوئی توہین تھوڑی ہو رہی ہے۔''

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''معراج شریف کے سلسلہ میں صحیحین اور دیگر کتب صحاح میں اتنی تفصیل اور

کثرت سے روایات موجود ہیں کہ وہ اس واقعے کے سلسلے میں ہمیں ضعیف احادیث سے مستغنی کردیتی ہیں۔''

مجھے اس جمہور مخالف فکر سے اتفاق نہیں، اور نہ ہی کوئی طبع سلیم کا مالک اس فکر سے اتفاق کرسکتا ہے کیوں کہ:

(الف) صاحب مقالہ کا کہنا ''ان میں فلاں فلاں حدیث ضعیف ومنکر ہے اس کو آپ بیان نہ ہی کریں تو بہتر ہے'' یا یہ کہنا ''اس واقعے کے سلسلے میں (صحیح حدیثیں) ہمیں ضعیف احادیث سے مستغنی کردیتی ہیں'' اجماع یا کم سے کم جمہور محدثین سے شذوذ و انحراف ضرور ہے، کیوں کہ جمہور محدثین اسی بات کے قائل ہیں کہ فضائل میں ضعیف شدید حدیث وغیر شدید پر عمل کرنا بہتر و مستحسن ہے، اور وہ اسی کی طرف رغبت دلاتے رہے ہیں۔

(ب) صاحب مقالہ کے ''محترم بزرگ'' کا جواب جس عام ذہن کی عکاسی کرتا ہے وہی درست اور صحیح ہے، کیوں کہ وہی مذہب جمہور کا علم بردار ہے، نہ کہ مقالہ نگار کی جدید فکر۔

(۲) جس حدیث میں شدت ضعف راوی کی کثرت خطا یا غفلت یا فسق کی وجہ سے ہو وہ حدیث بھی فضائل کے باب میں معتبر ہوگی، کیوں کہ یہی رائے جمہور علما ومحدثین کی ہے۔

(۳) حدیث کے موضوع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں وضع حدیث کی علامتوں میں سے کوئی ایک علامت پائی جائے، جس حدیث میں ان میں سے کوئی علامت پائی گئی اس پر عمل کرنا کسی بھی صورت میں جائز نہ ہوگا۔

(۴) اگر علامت نہ پائی جائے تو حدیث کب موضوع ہوگی اس میں تین مذاہب ہیں:

(الف) امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''سند میں وضاع ہو تو بھی حدیث کو موضوع نہ کہیں گے۔''

(ب) امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جس راوی کا حضور ﷺ پر قصداً افترا ثابت ہو اس کی حدیث موضوع

ہوگی۔"

(ج) امام زرکشی اور امام سیوطی رحمہما اللہ کی رائے یہ ہے کہ

"جس پر وضع یا جھوٹ کی تہمت لگائی گئی ہو اس کی حدیث موضوع قرار پائے گی۔"

پہلا مذہب اسلم ہے، کیوں کہ وضاع کے منفرد ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے حدیث وضع ہی کی ہو یا کسی اور نے اس کے سوا روایت ہی نہ کی ہو، ہاں یہ اور بات ہے کہ اگر کوئی راوی وضاع یا کذاب، متہم بالکذب یا متہم بالوضع کسی حدیث کے روایت کرنے میں منفرد ہو اور اس میں علامت وضع نہ پائی جائے تو اس کی حدیث پر عمل نہ کرنا چاہیے، کیوں کہ ایسی حدیثیں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ یا خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کے نزدیک موضوع حدیث کے عداد میں آتی ہیں۔

تنبیہ اول:

راوی وضاع یا کذاب، متہم بالکذب یا متہم بالوضع کسی روایت میں منفرد ہو، اور اس میں علامت وضع نہ پائی جائے؛ تو اس کی حدیث کو رد کرنے کے لئے ضروری ہے کہ نقاد و محدثین کے اس راوی کے بارے میں وارد شدہ نقد کی چھان بین کی جائے پھر کوئی حکم لگایا جائے، فقط کسی ایک کے قول پر اعتماد کر کے خاص طور سے جب کہ وہ متشدد یا متساہل ہوں جیسے امام ابن حبان رحمہ اللہ، حدیث کا رد کر دینا جہاں مناہج محدثین سے ناواقفیت کی دلیل ہے وہیں یہ طریقہ کار خطا سے خالی نہیں۔

تنبیہ ثانی:

احادیث موضوعہ کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ حدیث صریح عقل کے خلاف ہو، اس باب میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے، کیونکہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں کہ حدیث کے صریح عقل کے خلاف ہونے کا فیصلہ کرے۔ نیز ناقد حدیث کے لئے ضروری ہے کہ عقل کسی حدیث کے ورود کو محال سمجھے یا عقل اس کا ادراک نہ کر سکے، ان دونوں کے درمیان تفریق کرے، کیونکہ شریعت اسلامیہ میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کو عقل

محال سمجھے، ہاں ایسا بھی ہوتا ہے کہ عقل اس کے ادراک سے قاصر ہوتی ہے۔اسی حذر کی طرف ڈاکٹر الخشوعی صاحب نے اپنی کتاب ''بحوث فی علوم الحدیث'' میں بھی اشارہ فرمایا ہے۔ لہٰذا اگر عقل سلیم حدیث کے ورود کو محال جانے تو اس پر موضوع ہونے کا حکم لگایا جائے، اور اگر ادراک نہ کر سکے تو کفِ لسان ضروری ہے۔

بہر حال میں اپنی اس بحث سے یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ نہ تو میں ان متساہلین کی تائید کرتا ہوں جو احادیث موضوعہ پر قصداً یا عدمِ علم کی وجہ سے عمل کرتے ہیں، بلکہ میں ان پر عمل کرنے والوں کی سخت مذمت کرتا ہوں، جو لوگ عدم علم کی بنا پر ایسا کرتے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ علمائے حدیث کی طرف رجوع کر کے احادیث کے احکام معلوم کریں، اور پھر اسی عتبار سے عمل اور بیان کریں، اور جو لوگ قصداً ایسا کرتے ہیں ان کے لئے وعید شدید ہے، انہیں حضور ﷺ کے اس فرمان سے عبرت حاصل کرنا چاہیے، چناں چہ حضور ﷺ فرماتے ہیں:

''جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔'' (متفق علیہ)

لہٰذا ایسے لوگوں پر واجب ہے کہ وہ فوراً اپنے اس عمل سے دست بردار ہوں اور توبہ کریں۔ اور نہ ان متشددین کی موافقت کرتا ہوں جو ضعیف حدیث اور کثرت خطا وغیرہ کی وجہ سے ضعیف شدید حدیث کو موضوع قرار دیتے ہیں یا اس پر عمل کرنے سے منع کرتے ہیں، کیوں کہ ایسی صورت میں امت مسلمہ بہت سارے فضائل سے محروم ہو جائے گی۔ بلکہ میں افراط و تفریط سے دور مسلمانوں کو وسطیت اور اعتدال اپنانے کی دعوت دیتا ہوں، وہ اس طرح کہ احادیث صحیحہ پر عمل کرنے کا التزام کریں اور ساتھ ہی ضعیف حدیثوں میں وارد فضائل پر بھی توجہ دیں تا کہ ان کے فوائد سے محروم نہ ہوں۔

هذا ما عندی و اللّٰه اعلم بالصواب، ادعو اللّٰه تعالٰی ان یاخذ بایدینا الٰی طریق الرشاد و یمنحنا التوفیق و النجاح فی الدنیا و الآخرة۔ آمین یا رب العالمین۔



مراجع

(۱) الاذکار للنواوی، مطبع :مکتبة مصطفی البابی الحلبی

(۲) الاجوبة الفاضلة للکنوی

(۳) الاسرار المرفوعة لعلی القاری، مطبع:مؤسسة الرسالة

(۴) بحوث فی علوم الحدیث للخشوعی

(۵) تدریب الراوی للسیوطی،مطبع:دار الحدیث القاهرة، مصر

(۶) تقریب التهذیب لابن حجر،مطبع:دار الحدیث ، القاهرة ، مصر

(۷) جامع بیان العلم و فضله لابن عبد البر ، مطبع :دار ابن حزم

(۸) شرح علل الترمذی لابن رجب الحنبلی، مطبع:عالم الکتب، بیروت

(۹) فتح المغیث للسخاوی مطبع:المکتبة التوفیقیة، القاهرة، مصر

(۱۰) فتح القدیر، ابن الهمام

(۱۱) قواعد التحدیث من فنون علوم الحدیث للقاسمی، مطبع: دار النفائس، بیروت، لبنان

(۱۲) القول البدیع للسخاوی، مطبع دار الیسر، المدینة المنورة

(۱۳) اللآلی المصنوعة للسیوطی، مطبع :دار الکتب العلمیة، بیروت

(۱۴) نزهة النظر شرح نخبة الفکر لابن حجر، مطبع:مکتبة الرحاب، القاهرة

(۱۵) النکت البدیعات للسیوطی، مطبع:دار الجنان

(۱۶) الهادالکاف فی حکم الضعاف لاحمد رضا البریلوی، تحقیق: ازهری میاں، مطبع: دار الحاوی، بیروت، لبنان



ادارتی نوٹ کی تنقیح

محترم ایڈیٹر صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!!

امید کہ مزاج بخیر ہوں گے۔

''جام نور'' (مئی ۲۰۱۱ء کے شمارے) میں میرا مضمون شائع کرنے، اور ادارتی نوٹ میں بعض نوازشات کا شکریہ، اللہ تعالیٰ ایڈیٹر صاحب اور محقق علامہ اسید الحق رحمہ اللہ کی میرے حق میں کی گئی دعا قبول فرمائے۔ آمین!

ایڈیٹر صاحب کا یہ ادارتی نوٹ بعض جہت سے مقالہ نگار کی رائے کے خلاف ہے، جس کی وضاحت مندرجہ ذیل ہے:

ایڈیٹر صاحب فرماتے ہیں:

''زیر نظر مضمون 'حدیث ضعیف محدثین کی نظر میں ایک تجزیاتی مطالعہ' دراصل ایک جملہ کی تشریح وتفسیر پر مبنی ہے......''

مولانا اسید الحق صاحب (رحمہ اللہ) نے لکھا تھا:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قاعدہ 'فضائل میں ضعیف حدیث بھی مقبول ہے' اپنی جگہ درست ہے، اس کے ثبوت میں بڑے بڑے ائمہ حدیث کے حوالے دیے جاسکتے ہیں، لیکن اس قاعدہ کے اطلاق کا بھی ایک دائرہ ہے اور اس کے استعمال کے کچھ شرائط ہیں۔''

غالباً محقق رحمہ اللہ کے قول میں لفظ 'شرائط' سے میرے مقالہ میں ذکر کردہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا مذہب مراد ہے (میں تو غالباً ہی کہہ سکتا ہوں کیوں کہ مجھے ایڈیٹر صاحب کی

طرح محقق صاحب کے عبارت کی مراد معلوم نہیں) میں یہاں ایڈیٹر صاحب پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مجھے ان کی ذکر دہ شرائط کی پہلی بنیادی شرط سے اتفاق نہیں، جس پر شدید ضعیف حدیث قبول کرنے اور نہ کرنے کا دارومدار ہے، یہاں پر میں نے اپنا موقف ثابت کرنے کے لئے قدرے تفصیلی گفتگو کی ہے۔

ایڈیٹر صاحب نظر عنایت فرمائیں، محترم محقق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہم ان متشددین کے حامی نہیں جو معمولی سے معمولی علت کی بنیاد پر حدیث کو موضوع قرار دیدیتے ہیں اور ضعیف حدیث خواہ اس میں کتنا ہی خفیف درجہ کا ضعف ہو اس کو رد کر دیتے ہیں، متقدمین میں حافظ ابن الجوزی اور متاخرین میں ناصر الدین البانی اور ان کے ہم مزاج حضرات کو اس کی مثال میں پیش کیا جاسکتا ہے۔''

محقق رحمہ اللہ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قاعدہ...... لیکن اس قاعدہ کے اطلاق کا بھی ایک دائرہ ہے اور اس کے استعمال کے کچھ شرائط ہیں۔''

حالاں کہ محقق رحمہ اللہ نے فضائل کے باب میں بعض حدیثوں کو جس میں خفیف ضعف تھا اور وہ شرائط کے تحت کھری اتر بھی رہی تھیں بڑی آسانی سے اس کو بیان کرنے سے منع کر دیا، فرماتے ہیں:

''ان میں فلاں فلاں حدیث ضعیف و منکر ہے اس کو آپ بیان نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔''

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''اس واقعے کے سلسلے میں 'صحیح حدیثیں' ہمیں ضعیف احادیث سے مستغنی کر دیتی ہیں۔''

مجھے ان دونوں اقوال سے اتفاق نہیں۔

ایڈیٹر صاحب ماتھے کی آنکھوں سے دیکھیں محقق صاحب کے یہ اقوال جہاں ایک

جہت سے حافظ ابن الجوزی اور البانی کے مثل تشدد کا حامل ہے، وہیں دوسری جہت سے محقق صاحب کے تضاد قول کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو اہل نظر پر واضح اور بین ہے۔ نیز ان اقوال سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ محقق صاحب نے حدیث ضعیف کے بارے میں کہا کچھ اور ہے، اور کیا کچھ اور ہے۔

ان اختلافات کے باوجود بھی ایڈیٹر صاحب فرماتے ہیں:

''زیر نظر مضمون دراصل ایک جملہ کی تشریح و تفسیر پر مبنی ہے۔''

اور وہ یہ ہے:

''ہم ان متشددین کیا۔۔۔ الخ''

اور پھر ایڈیٹر صاحب نتیجہ نکالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ازہار صاحب کے اس مضمون سے مولانا اسید الحق صاحب (رحمہ اللہ) کی مذکورہ عبارتوں کی تائید ہی ہوتی ہے۔''

اگر ایڈیٹر صاحب کے علاوہ کسی، اور نے یہ بات کہی ہوتی تو ضرور میں استعجاب کے عالم ڈوب گیا ہوتا، مگر افسوس کہ یہ بات ایڈیٹر صاحب نے کہی ہے جس کہ وجہ سے میں صحیح ڈھنگ سے تعجب کا اظہار بھی نہیں کر سکتا۔ میں نے محقق رحمہ اللہ کی کس حد تک تائید، اور کس حد تک ان سے نااتفاقی کی ہے قارئین ''جام نور'' پر شفاف آئینہ کی طرح واضح ہے۔

ایڈیٹر صاحب فرماتے ہیں:

''مولانا اسید الحق صاحب (رحمہ اللہ) کی دو عبارتوں سے ازہار صاحب کو گمان ہوا کہ مولانا اسید الحق صاحب مطلقاً ضعیف حدیثوں کو قابل قبول نہیں سمجھتے، حالاں کہ اسید الحق صاحب (رحمہ اللہ) کا یہ مقصد نہیں تھا۔''

میں نے کب کہا کہ محقق صاحب مطلقاً ضعیف احادیث کو قابل قبول نہیں سمجھتے؟ میں نے نہ ایسا کہا ہے اور نہ ہی میں نے ایسا گمان کیا ہے، البتہ محقق صاحب کے متضاد قول اور بعض فضائل کے باب میں حدیث ضعیف کو بیان کرنے سے منع کرنے کی وجہ سے میں نے اس باب میں محدثین کے مذاہب تفصیل کے ساتھ ضرور بیان کر دئے تا کہ اہل حل و عقد

دلائل و براہین کی بنیاد پر فیصلہ کر سکیں کہ محقق صاحب کا ان چند فضائل کے ابواب میں ضعیف حدیثوں کو بیان کرنے سے روکنا کیسا ہے؟

ایڈیٹر صاحب فرماتے ہیں:

"آپ مولانا کے مضمون کو دوبارہ امعانِ نظر سے پڑھیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ مولانا کا مقصد یہ ہے کہ جن معاملات میں ہمارے پاس صحیح احادیث موجود ہیں وہاں ہم ضعیف اور کمزور احادیث بیان کر کے اپنے مسلکی حریف کو یہ کہنے کا موقع کیوں دیں کہ ان حضرات کے عقائد اور معاملات ضعیف احادیث پر منحصر ہیں۔"

اس مقام پر تین باتیں کہنا چاہوں گا:

پہلی بات:

ایڈیٹر صاحب کی عبارت اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ محقق رحمہ اللہ نے صحیح اور ضعیف احادیث کے درمیان تقابل کر کے صحیح احادیث پر عمل کرنے کی رغبت دلائی ہے، حالاں کہ حقیقت حال اس کے خلاف ہے کیونکہ محقق رحمہ اللہ کے مقالے کا محور تقریبا موضوع اور صحیح احادیث ہیں، مقالے میں ایک جگہ کے علاوہ کہیں بھی ضعیف اور صحیح احادیث کے درمیان تقابل پیش نہیں کیا ہے۔ اور دونوں مفہوموں (صحیح اور موضوع احادیث، صحیح اور ضعیف احادیث) کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے، لہٰذا یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ محقق رحمہ اللہ نے صحیح احادیث پر عمل کرنے اور موضوع احادیث کو ترک کرنے کی طرف رغبت دلائی ہے؛ لیکن ایڈیٹر صاحب نے جو مفہوم نکالا ہے وہ کہنا مشکل ہے۔

دوسری بات:

یہ عبارت ایڈیٹر صاحب کی محقق رحمہ اللہ کے ساتھ بے جا محبت کی عکاسی کر رہا ہے، اس محبت کا لحاظ کرتے ہوئے اگر بر سبیل تنزل مان بھی لیا جائے کہ محقق رحمہ اللہ نے اپنے مقالہ میں وہی کہنا چاہا ہے جو ایڈیٹر صاحب کی عبارت سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اس صورت میں

بھی میری ایڈیٹر صاحب سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ اگر آپ کی مراد ''معاملات'' سے ''مسائل احکام'' مراد ہیں تو اس باب میں آپ کی یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے، لیکن اگر اس سے عقائد مراد ہیں تو اس باب میں یہ فکر درست نہیں، کیونکہ عقائد کے باب میں نہ کہ صرف صحیح بلکہ بعض ابواب میں تو حدیث متواتر اور مشہور صحیح حدیث کا ہونا ضروری ہے، اور ضعیف احادیث کا تو سرے سے اس باب میں کوئی اعتبار ہی نہیں، ایڈیٹر صاحب دیکھیں: ظفر الامانی، مصنف: علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ، ص ۲۰۰، تحقیق: عبدالفتاح ابوغدۃ، مطبع: دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، لبنان۔

اور اگر ایڈیٹر صاحب کی عبارت میں مذکور لفظ 'معاملات' سے فضائل کی احادیث مراد ہیں تو اس باب میں بھی محقق رحمہ اللہ کی یہ توجیہ ایڈیٹر صاحب کی زبانی تسلیم نہیں کی جاسکتی، کیونکہ محدثین کرام نے فضائل کے باب میں صرف احادیث ضعیفہ پر عمل کرنے کی ترغیب دلائی ہے، یہ شرط ذکر نہیں کی ہے کہ: جس باب میں صحیح احادیث ہوں اس باب میں ضعیف حدیث مقبول نہیں ہوں گی، یا ان کو بیان نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کے خلاف ہی محدثین کا عمل رہا ہے، یہاں پر صرف ایک کتاب کے چند ابواب کی طرف اشارہ کر دیتا ہوں۔ ایڈیٹر صاحب شاید آپ کی نظر سے امیر المومنین فی الحدیث محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ کی کتاب ''الادب المفرد'' گزری ہو، جس کے مختلف ابواب میں آپ نے صحیح احادیث کے علاوہ ضعیف احادیث سے بھی استدلال کیا ہے، اطمنان قلب کے لئے بعض ابواب مندرجہ ذیل ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

۶۔ باب جزاء الوالدین

۱۵۔ باب عقوبة عقوق الوالدین

۱۹۔ باب بر الوالدین بعد موتهما

۲۰۔ بر من کان یصله ابوه

۲۶۔ باب صلة الرحم (تحقیق: فرید عبدالعزیز الجندی، مطبع: دارالحدیث، قاہرہ، مصر)

طوالت کے خوف سے انہیں بعض ابواب پر اکتفا کرتا ہوں۔

تیسری بات:

رہی بات مسلکی حریف کا عوام کو بہکانے کی تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں، کیوں کہ یہ تو ان کا قدیم پیشہ ہے، اہل سنت و جماعت ان کے مکر کی وجہ سے اجماع یا جمہور کا مذہب نہیں چھوڑ سکتے، اگر وہ اپنے معمولات سے ایسے ہی دامن جھاڑنے لگیں تو انہیں اپنے بہت سارے معمولات کو جو قرآن، حدیث، محدثین اور فقہائے کرام کی افکار و نظریات کے موافق ہیں چھوڑنا پڑ جائے گا، لہٰذا ان کی مکاری کا شکوہ کرنے کے بجائے ضروری ہے کہ عوام کو اہل سنت و جماعت کے افکار و نظریات کا پوری کوشش کے ساتھ متبع بننے کی تلقین کی جائے، نہ یہ کہ مسلکی حریف کے مکر و فریب کے سامنے ہتھیار ڈال دیا جائے۔ بس بندہ کو یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ اسی کا مکلّف ہے جتنی اس کے پاس طاقت ہے، اسے اپنے اس دائرے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے، باقی رشد و ہدایت خدا ہی کے ہاتھ میں ہے، فرماتا ہے:

﴿مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا﴾

(سورۃ الکہف: ۱۸، آیت نمبر: ۱۷)

فقط

والسلام

ازہار احمد امجدی مصباحی



مشہور حدیث((اطلبوا العلم و لو بالصین))
تحقیق کے آئینہ میں

تقریباً دو سال قبل مدینة البعوث الاسلامیة مصر (جامعة الازہر الشریف میں زیرِ تعلیم غیر ملکی طلبہ کی رہائش گاہ) میں بعض ہندوستانی احباب کے ساتھ محوِ گفتگو تھا، موضوعِ سخن احادیث نبی ﷺ تھا، جو مجھے اور میرے بعض احباب کو بہت زیادہ عزیز ہے، دورانِ گفتگو ان میں سے ایک صاحبِ فکر ونظر میرے کلیة اصول الدین میں ہونے کی وجہ سے میری طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا: حدیث ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) موضوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم کہ اس ھوقت میرے مطالعہ میں خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی کتاب ''النکت البدیعات علی الموضوعات'' آ چکی تھی، میں نے اسی کتاب کے مطالعہ کی روشنی میں اپنی یادداشت کے مطابق ان سے عرض کیا نہیں یہ حدیث موضوع نہیں بلکہ حسن یا ضعیف ہے۔ بہر حال بات آئی اور ختم تو ہوگئی، مگر میں نے اسی دن اپنے دل میں عزم مصمم کر لیا تھا کہ کبھی نا کبھی میں اس حدیث پر تحقیق ضرور کروں گا، لیکن دروس اور بعض شواغل کی وجہ سے تقریباً دو سال گزر گئے اور میں اپنے اس عزم کو عملی جامہ نہیں پہنا سکا، اب دو سال کے بعد اللہ جل شانہ کے فضل و کرم سے میری یہ خواہش پوری ہو رہی ہے۔ میں اپنی اس بحث کے ذریعہ ہندوستان کے علما، طلبہ اور دیگر لوگوں کے سامنے، حدیث((اطلبوا العلم و لو بالصین)) کی تحقیق انیق پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، جو ان شاء اللہ محض دعاوی اور خیانت علمی سے خالی اور دلائل و براہین سے مزین ہوگی۔ نیز اس بحث و تمحیص سے ان شاء اللہ دور حاضر کے محققین کو رہنمائی بھی ملے گی کہ تحقیق کا منہج اور حدیث پر حکم لگانے کا طریقہ کیا ہونا چاہیے۔

اس حدیث پر میرے گفتگو کا طریقہ یہ ہوگا کہ سب سے پہلے میں ابن جوزی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ سندوں کے دار و مدار راوی 'ابو عاتکہ' پر کلام کروں گا، اس کے بعد دوسری دو سندوں کے بعض راویوں پر بھی کلام کروں گا، اس کلام کے درمیان جو الفاظ جرح و تعدیل آئیں گے ان کے معانی و مفاہیم اور وہ الفاظ محدثین کے نزدیک مراتب جرح و تعدیل کے کس درجہ میں آتے ہیں وہ بھی ساتھ میں واضح کرتا جاؤں گا، پھر اس حدیث پر بعض تعقبات ذکر کر کے محدثین کے اقوال کی روشنی میں ان شاء اللہ حدیث کا حکم بیان کروں گا۔ و ما توفیقی الا باللّٰہ علیہ توکلت و الیہ انیب۔

امام ابن جوزی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ سندوں کا خلاصہ

امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے حدیث ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) کو اپنی کتاب 'الموضوعات' میں تین فرعی سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے، پہلی اور دوسری سند 'الحسن بن عطیہ کوفی' اور تیسری سند 'حماد بن خالد خیاط' سے جا کر ملتی ہے، جنہوں نے حدیث مذکور کو 'طریف بن سلیمان ابو عاتکہ' سے روایت کی ہے۔

(الموضوعات لابن الجوزی، ج۱ص۲۱۵،۲۱۶، کتاب العلم)

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ امام ابن جوزی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ تینوں فرعی سندوں کے دار و مدار 'ابو عاتکہ' راوی ہیں۔ اسی کو محدثین کی اصطلاح میں مدار حدیث کہتے ہیں۔ لہٰذا تمام فرعی سندوں کے راویوں کے موثق ہونے کے ساتھ اگر جس پر حدیث کا مدار ہے وہ ثقہ ہے تو اس کی حدیث صحیح ہوگی، صدوق ہے تو حسن ہوگی اور ضعیف ہے تو حدیث ضعیف ہوگی الخ۔ مجھے اپنی اس بحث میں راوی 'ابو عاتکہ' پر تفصیلی کلام کرنا ہے، تاکہ محدثین کے اقوال کی روشنی میں کسی نتیجہ پر پہنچا جا سکے۔

بعض اہم نکات

اس سے پہلے بعض اہم نکات کی طرف وقت کی مناسبت سے اشارہ کر دینا بہتر سمجھتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

(ا) ابن جوزی رحمہ اللہ کا اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں کسی حدیث کے ذکر کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث موضوع ہی ہو، کیونکہ انہوں نے اپنی اس کتاب میں بہت تساہلی سے کام لیا ہے۔ خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''قدیم وجدید دور کے حفاظ نے اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ ابن جوزی رحمہ اللہ سے 'الموضوعات' میں بہت زیادہ تساہلی واقع ہوگئی ہے، انہوں نے بہت ساری ضعیف اور بعض حسن وصحیح حدیثوں کو اپنی اس کتاب میں ذکر کر دیا ہے۔''

اسی لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ابن جوزی رحمہ اللہ نے 'الموضوعات' میں اور حاکم نیشاپوری نے 'المستدرک' میں تساہلی کر کے ان دونوں کتابوں کے نفع کو معدوم کر دیا ہے، کیونکہ ان میں کی ہر ایک حدیث میں تساہلی واقع ہونے کا احتمال ہے۔ لہٰذا ناقد حدیث پر واجب ہے کہ ان دونوں محدثینؒ کی نقل کردہ حدیثوں کا بغیر ان کی تقلید کئے از سرِ نو تحقیق ودراسہ کرے پھر اس کی روشنی میں فیصلہ کرے کہ وہ حدیث کس درجہ کی ہے۔'' (مقدمة النكت البديعات على الموضوعات، ص۲۹)

(ب) امام ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حسن بن عطیہ کو امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(الموضوعات لابن الجوزی، ج۱ص۲۱۶)

حالاں کہ حقیقت اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ پہلی جن دو سندوں میں ابوعاتکہ سے روایت کرنے والے 'حسن بن عطیہ کوفی' ہیں، اس نام کے دو راوی ہیں: ایک 'کوفی' اور دوسرے 'عوفی' سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ اور امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے جس راوی کو ضعیف قرار دیا ہے وہ 'حسن بن عطیہ کوفی' نہیں بلکہ وہ 'حسن بن عطیہ عوفی' ہیں۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امام ابوحاتم رحمہ اللہ وغیرہ نے 'حسن بن عطیہ عوفی' کو ضعیف قرار دیا ہے۔''

(المغنی فی الضعفاء للذهبی، ج۱ص۱۶۲)

اور رہی بات 'حسن بن عطیہ کوفی' کی تو آپ ان کی توثیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وہ صدوق ہیں۔''

(الکاشف فی معرفة من له روایة فی الکتب السته للذهبی، ج۱ص۳۲۷)

ہاں امام ابوالفتح محمد بن حسین ازدی رحمہ اللہ نے 'حسن بن عطیہ کوفی' کو ضعیف قرار دیا ہے، مگر غالباً انہیں 'حسن بن عطیہ عوفی' سے اشتباہ ہوگیا، اور بجائے ان کو ضعیف قرار دینے کے 'حسن بن عطیہ کوفی' کو ضعیف قرار دیدیا، اور ایسا ممکن ہے کیوں کہ سہو و نسیان انسان کی فطرت میں داخل ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ 'حسن بن عطیہ کوفی' صدوق ہیں، اور امام ابوالفتح ازدی رحمہ اللہ نے ان کی تضعیف کی ہے، میرے خیال سے انہیں 'حسن بن عطیہ عوفی' سے اشتباہ لاحق ہوگیا، اور 'کوفی' کو 'عوفی' سمجھ کر ضعیف قرار دے دیا۔'' (تهذیب التهذیب لابن حجر العسقلانی، ج۲ص۲۶۵)

اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے 'حسن بن عطیہ کوفی' کے بارے میں ' لا باس به' فرمایا ہے۔ 'صدوق' اور 'لا باس به' سے موثق راوی مراتب تعدیل کے چوتھے درجہ میں آتا ہے جس کی حدیث عموماً حسن لذاتہ ہوتی ہے۔

(المغنی فی الضعفاء للذهبی، ج۱ص۱۶۲)

لہٰذا جن محققین نے 'حسن بن عطیہ کوفی' کو 'متکلم فیہ' کہہ کر ان کی حدیث کو رد کرنے کی کوشش کی ہے، وہ اپنی تحقیق پر نظر ثانی کریں۔

(ج) امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حدیث ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔''

ان کے قول پر اعتماد کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم دیکھیں کہ جرح و تعدیل کے باب میں محدثین کے نزدیک امام ابن حبان رحمہ اللہ کی کیا حیثیت ہے، کیوں کہ ہر ایک کی جرح اگر یوں ہی قبول کی جانے لگے تو بہت سارے بڑے بڑے محدثین اور ان کی احادیث سے ہاتھ دھونا پڑ جائے گا۔

ابن حبان رحمہ اللہ کی نقد و جرح محدثین کی نظر میں

(ا) ابن حبان رحمہ اللہ جرح وقدح کے باب میں متشدد تھے، ان کے اسی تشدد کی بنا پر امام ذہبی رحمہ اللہ ان پر اپنی کتاب ''میزان الاعتدال'' میں متعدد جگہ برسے ہیں۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''خساف جلد باز ابن حبان کو 'محمد بن فضل سدوسی عارم' کے بارے میں یہ کہنے کی کیسے جرات ہوئی کہ: ان کو آخری عمر میں اختلاط ہو گیا تھا۔''

(میزان الاعتدال للذهبي، ج۴ص۸)

آپ دوسری جگہ 'فلح بن سعید مدنی' کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

''ابن حبان رحمہ اللہ کبھی کبھی 'ثقہ راوی' کو بھی اپنی جرح وقدح کا نشانہ بنانے سے نہیں چوکتے، ایسا لگتا ہے کہ ان کے سر سے جو نکلتا ہے انہیں پتہ ہی نہیں چلتا۔'' (میزان الاعتدال، ج۱ص۲۷۴)

(ب) ابن حبان رحمہ اللہ متشدد ہونے کے ساتھ ساتھ متساہل بھی تھے، نقد کے باب میں ان کے اسی تساہلی کی بنا پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انہیں متساہل قرار دیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ابن حبان رحمہ اللہ کی تساہلی نقد کے میدان میں مشہور و معروف ہے۔''

(النکت علی کتاب ابن الصلاح لابن حجر ،النوع الثامن ،ص۲۹۲)

اس بیان سے ثابت ہو گیا کہ ابن حبان رحمہ اللہ جرح و نقد میں افراط و تفریط کے شکار تھے۔

اور یہ بات طے شدہ ہے کہ محض کسی ایک محدث کی جرح پر اعتماد کر کے کسی حدیث پر حکم لگانا یا موضوع قرار دینا درست نہیں، اس لئے بہ درجہ اولی ابن حبان رحمہ اللہ جو افراط و تفریط میں مبتلا تھے محض ان کے قول پر اعتماد کر کے حدیث ((اطلبو العلم ولو بالصین)) کو موضوع قرار نہیں دیا جائے گا۔ لہٰذا اس حدیث پر حکم لگانے کے لئے ضروری ہے کہ دوسرے محدثین کرام کے اقوال کی طرف رجوع کیا جائے۔ اسی کے پیش نظر ذیل میں پہلے ابن جوزی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ سندوں کے دار و مدار راوی 'ابو عاتکہ' اور ان کی روایت کردہ حدیث کے بارے میں دوسرے محدثین کرام کے اقوال پیش کرتا ہوں:

راوی 'ابو عاتکہ' پر کلام

راوی 'ابو عاتکہ' کے بارے میں کلام کرنے والوں کے دو گروہ ہیں:

ایک متوسط اور دوسرا متشدد

(ا) متوسطین کے اقوال

اکثر محدثین عظام جو اعتدال پسند ہیں وہ فرماتے ہیں کہ راوی 'ابو عاتکہ' اور اس کی روایت کردہ حدیث ((اطلبوا العلم ولو بالصین)) فقط ضعیف ہے، ان کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں:

(ا) امام ترمذی رحمہ اللہ ابو عاتکہ کی ایک حدیث کو اپنی سنن میں ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''یضعف''

یعنی ابو عاتکہ کی تضعیف کی جاتی ہے۔

(سنن التر مذی، ج۳ص۹۶، باب ما جاء فی الکحل للصائم، رقم الحدیث:۷۲۶)

(ب) محمد بن احمد عبد الہادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وہ ضعیف ہیں۔'' (تنقیح التحقیق فی احادیث التعلیق لمحمد بن احمد عبد الهادی الحنبلی، ج۲ص۴۲۸، کتاب الصلاۃ، مسائل التطوع)

(ت) امام دار قطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ضعیف ہیں۔'' (الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی، ج۲ص۶۳)

(ث) امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ضعفوه''

یعنی محدثین نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔

(الکاشف فی معرفة من له روایة فی الکتب السته للذهبی، ج۵،ص۵۶۷)

(ج) حافظ المغرب ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''هو عندهم ضعیف''

یعنی وہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔

(تهذیب التهذیب لابن حجر، ج۱۲ص۱۵۸)

(ح) امام ذہبی رحمہ اللہ دوسری جگہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

''مجمع علی ضعفه۔''

یعنی محدثین کا اجماع ہے کہ 'ابوعاتکہ' ضعیف ہیں۔ (میزان الاعتدال، ج۴ص۵۴۲)

(خ) ابن عبدالہادی رحمہ اللہ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''مجمع علی ضعفه۔''

(تنقیح التحقیق، لابن عبد الهادی، کتاب الصیام ج۳ص۲۴۷)

(د) امام عجلونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وہ ضعیف ہیں۔'' (کشف الخفاء للعجلونی، ج۱ص۱۵۴)

(ذ) امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وہ ضعیف ہیں۔'' (تقریب التهذیب لابن حجر، ص۷۷۶)

(ر) امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حدیث ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) دو وجہوں سے مروی ہے اور وہ دونوں وجہوں سے ضعیف ہے۔'' (المقاصد الحسنة للسخاوی، ص ۷۴)

(ز) امام بیہقی رحمہ اللہ ابو عاتکہ کی روایت کردہ حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

''حدیث مذکور مشہور حدیث کی طرح ہے، اس کی اسناد ضعیف ہے، اور یہ حدیث متعدد ضعیف طرق سے مروی ہے۔''

(شعب الایمان للبیھقی، ج۲ص۲۵۴)

(س) ابوالمحاسن محمد بن خلیل فرماتے ہیں:

''ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں شمار کیا ہے حالاں کہ ایسا نہیں، بلکہ وہ صرف ضعیف ہے۔'' (اللؤلؤ الموصوع للقاوقجی، ج۱ص۴۰)

حدیث ضعیف کی تعریف

حدیث ضعیف وہ ہے جس کے اندر حدیث حسن کی صفات میں سے کوئی ایک صفت مفقود ہو، اور وہ صفتیں یہ ہیں:

(۱) عدالت راوی

(۲) خفت ضبط

(۳) اتصال سند

(۴) معلل نہ ہونا

(۵) شاذ نہ ہونا (نزھة النظر شرح نخبة الفکر للعسقلانی، ص۱۵،۱۹)

یضعف و ضعفوہ وغیرہ کا معنی و مفہوم

یعنی راوی ضعیف ہے، ان الفاظ کا شمار مراتب جرح کے پہلے اور دوسرے مرتبہ میں ہوتا ہے، جس راوی کی ان الفاظ کے ذریعہ جرح کی گئی ہو اس کی حدیث متابع و شاہد بن سکتی ہے۔ (الارشاد الی کیفیة دراسة الاسناد لرضا زکریا، ص۱۶۵،۱۶۶)

(ش) ابواحمد الحاکم الکبیر راوی 'ابو عاتکہ' کے بارے میں فرماتے ہیں:

لیس بالقوی عندھم۔

(الاسامی و الکنی لابی احمد الحاکم، ج۵ص۳۹۲)

لیس بالقوی کا معنی ومفہوم

یعنی راوی ثقہ نہیں

اس لفظ کا شمار مراتب جرح کے دوسرے درجہ میں ہوتا ہے، اس سے جرح کیے جانے والے راوی کی حدیث قابل اعتبار ہوتی ہے، یہ لفظ اس راوی کے بارے میں کہا جاتا ہے جس کا مرتبہ اس قدر بلند نہ ہو کہ 'ثقہ' تک پہنچ جائے، اور نہ ہی اس قدر انحطاط پذیر ہو کہ ضعیف کے درجہ تک پہنچ جائے بلکہ اس کا درجہ ان دونوں کے درمیان کا ہے جسے 'صالح الحدیث' کہا جا سکتا ہے جس کا شمار مراتب تعدیل کے پانچویں یا چھٹے درجہ میں ہوتا ہے، اس درجہ کی حدیث بھی قابل اعتبار ہوتی ہے، بات آنے والی مثالوں سے واضح ہو جائے گی:

چناں چہ عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

'میں نے اپنے والد گرامی سے 'ہشام بن حجیر' راوی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: 'لیس هو بالقوی' تو میں نے کہا: کیا وہ ضعیف ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: لیس هو بذاك۔

(العلل و معرفة الرجال، النص:۷۳۶، ج۱ص۱۵۰)

اور علی بن مدینی 'فرج بن فضالہ' کے بارے میں فرماتے ہیں:

''هو وسط، و لیس بالقوی۔''

(سؤالات ابن ابی شیبة لعلی بن المدینی، النص:۲۳۴، ص۱۶۲)

ان دونوں نصوں سے ظاہر ہو گیا کہ جس راوی کے بارے میں 'لیس بالقوی' کہا جائے گا وہ نہ تو ثقہ ہوگا اور نہ ہی ضعیف بلکہ اس کے لئے ان کے درمیان کا درجہ ہوگا، جسے 'صالح الحدیث' کہا جا سکتا ہے۔

(س) امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''طریف بن سلیمان ابو عاتکہ 'منکر الحدیث' ہیں۔''

(التاریخ الکبیر للبخاری، ج۴ص۳۵۷)

منکر الحدیث کا معنی و مفہوم

محدثین کرام کے نزدیک اس لفظ کا معنی مختلف فیہ ہے بعض لوگوں کے نزدیک 'منکر الحدیث' اس راوی کو کہتے ہیں جو کثیر الخطا، کثیر الغفلۃ یا فاسق ہو، اور امام ابن حجر کے نزدیک اس ضعیف راوی کو کہتے ہیں جس کی حدیث ثقہ راوی کے خلاف ہو، اور حافظ ابو بکر بردیجی اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس راوی کے بارے میں استعمال کرتے ہیں جو کسی روایت میں متفرد ہو، خواہ ثقہ ہو یا ضعیف۔

(نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر لابن حجر، ص۲۳،۵۳،
شرح علل الترمذی لابن رجب الحنبلی، ص۲۵۲،۳۵۳)

یہاں پر امام بخاری رحمہ اللہ نے 'ابو عاتکہ' کے بارے میں فرمایا:
''منکر الحدیث ہیں۔''

چوں کہ یہ قول مختلف محدثین کے نزدیک مختلف معنوں میں استعمال کیا گیا ہے، اس لئے بہتر ہے کہ 'ابو عاتکہ' کی حدیث کو انتہائی ضعیف کہنے سے پہلے ہم یہ معلوم کرلیں کہ آپ کی اس لفظ سے کیا مراد ہے۔ آپ فرماتے ہیں: 'میں جس راوی کے بارے میں 'منکر الحدیث' کہہ دوں اس سے حدیث روایت کرنا حلال نہیں'۔

(میزان الاعتدال للذھبی، ج۱ص۶)

عام طور سے یہی سمجھا جاتا ہے اور یہ سمجھنا ایک حد تک غلط بھی نہیں کیونکہ آپ سے اسی طرح مروی بھی ہے، مگر جب نقد کے میدان میں قدم رکھا جاتا ہے، اور مباحث کے پیچ و خم سے گزرا جاتا ہے تو بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ مطلقاً ایسا نہیں ہے، بلکہ آپ یہ لفظ کبھی تو ایسے راوی کے بارے میں فرماتے ہیں جس کا کذب مشہور ہوتا ہے جس سے روایت کرنا جائز نہیں، لیکن کبھی ایسے راوی کے بارے میں بھی فرماتے ہیں جس سے روایت کرنا جائز ہے، اور کبھی راوی کی روایت قلیل ہونے کی وجہ سے اس کے بارے میں یہ لفظ استعمال کرتے ہیں۔ میں یہاں پر دو مثالیں ذکر کردیتا ہوں تاکہ یہ مسئلہ پورے طور سے واضح ہوجائے:

پہلی مثال:

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اسحاق بن نجیح ملطی یہ راوی 'منکر الحدیث' ہیں۔''

(التاریخ الکبیر للبخاری، ج۱ص۴۰۴)

یہ کذب اور حدیث کے وضع کرنے میں مشہور و معروف ہیں، ان سے حدیث روایت کرنا جائز نہیں، ہاں اگر اس کے کذب کو بیان کرنا ہو تو درست ہے۔

دوسری مثال:

دوسری جگہ امام بخاری رحمہ اللہ 'ابراہیم بن اسماعیل بن ابی حبیبہ' کے بارے میں فرماتے ہیں:

''منکر الحدیث ہیں۔'' (التاریخ الکبیر للبخاری، ج۱ص۲۷۱)

ان کے بارے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ثقہ ہیں۔''

اور ابن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''صالح ہیں۔''

اور ابو حاتم رازی رحمہ اللہ جو امام بخاری رحمہ اللہ کے ہم عصر ہیں انہوں نے ان کی تائید کی ہے، مگر ان کے قول میں تفصیل ہے، فرماتے ہیں:

''شیخ لیس بقوی، ان کی حدیث لکھی جائے گی، البتہ ان سے احتجاج درست نہیں، وہ 'منکر الحدیث' ہیں۔''

(الجرح و التعدیل لابن ابی حاتم، ج۲ص۸۳،۸۴)

اسی راوی کے بارے میں ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''روایت کے باب میں وہ صالح ہیں ایسا ہی یحی ابن معین رحمہ اللہ سے مروی ہے، اور ان کے ضعیف ہونے کے باوجود بھی ان سے حدیث لکھی جائے گی۔''

(الکامل لابن عدی، ج۱ص۲۳۶)

جب اتنا معلوم ہو گیا تو صحیح یہ ہے کہ 'ابو عاتکہ' کے بارے میں آپ کے قول 'منکر الحدیث' کو ان اکثر علما کے اقوال کے ساتھ لاحق کیا جائے جنھوں نے 'ابو عاتکہ' کے بارے میں فرمایا:

''لیس بالقوی یا یضعف یا ضعفوہ وغیرہ، جن کی حدیثیں متابعات وشواہد بن سکتی ہیں۔''

اگر کوئی شخص یہ تفصیلات قبول نہ کرے تو اس کے لئے یہی کافی ہے کہ فضائل کے باب میں 'منکر الحدیث' راوی کی حدیث مقبول ہوگی۔ چنانچہ جس راوی کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے 'منکر الحدیث' فرمایا ہے، خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اس راوی کی حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

''زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس راوی کی حدیث ضعیف ہوگی۔''

(النکت البدیعات علی الموضوعات، باب فضائل القرآن، ص۶۳)

دوسری جگہ آپ بغیر کسی قید کے فرماتے ہیں:

''حدیث منکر ضعیف کی قسم سے ہے اور یہ فضائل کے باب میں محتمل ہے۔''

(النکت البدیعات، ص۳۲۱)

خاتم الحفاظ کے ان دونوں قول سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے قول 'منکر الحدیث' سے حدیث صرف ضعیف ہوگی جو فضائل کے باب میں معتبر بھی ہوگی نہ کہ انتہائی ضعیف جیسا کہ دور جدید کے بعض علما سمجھتے ہیں، یہ اس کے لئے ہے جو تفصیل کو نہ مانے، ورنہ صحیح یہ ہے کہ امام بخاری کے اس قول کو دوسرے محدثین کے اقوال سے تقابل کر کے ہی فیصلہ کیا جائے گا۔

لہٰذا محققین 'منکر الحدیث' کا لفظ دیکھ کر دھوکا نہ کھائیں؛ کیوں کہ جس راوی پر اس قول کا اطلاق کیا جائے ضروری نہیں کہ اس کی حدیث موضوع یا شدید ضعیف ہی ہو۔ بلکہ اس وصف میں محدثین کے اختلاف کے سبب اس کی حدیث کبھی موضوع، کبھی ضعیف اور کبھی حسن بلکہ کبھی صحیح بھی ہو سکتی ہے!!

(۲) متشددین کے اقوال

بعض محدثین جو شدت پسند ہیں ان کے اقوال 'ابو عاتکہ' کے بارے میں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ابو عاتکہ لیس بثقۃ۔" (الضعفاء و المتروکین للنسائی، ج۱ص۱۴۴)

محدثین نے امام نسائی رحمہ اللہ کو بھی متشددین میں شمار کیا ہے۔ چناں چہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"راوی 'حبیب المعلم' کی توثیق پر محدثین متفق ہیں، لیکن امام نسائی رحمہ اللہ نے ان کے تعلق سے تشدد برتا ہے۔"

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"راوی 'حسن بن صباح بزاز' کے بارے میں بھی امام نسائی رحمہ اللہ نے شدت برتی ہے۔"

اور ایک جگہ فرماتے ہیں:

"راوی 'محمد بن بکر برسانی' کو امام نسائی رحمہ اللہ نے بغیر کسی حجت کے 'لین' قرار دیا ہے۔"

(مقدمۃ فتح الباری بشرح صحیح البخاری لابن حجر، ص۶۱۶،۶۱۹)

امام ذہبی رحمہ اللہ نے تو صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ امام نسائی باب نقد میں متشدد تھے۔ آپ ان کے تشدد کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"راوی 'عبداللہ بن وہب مصری' مطلقاً حجت ہیں، ان کی حدیثیں صحاح اور دواوین اسلام میں کثرت سے موجود ہیں، ان کو ثقہ ماننے کے لئے امام نسائی رحمہ اللہ کی توثیق ہی کافی ہے کیونکہ وہ نقد رجال میں بہت شدت سے کام لیتے تھے۔" (سیر اعلام النبلاء للذهبی، ج۹ص۲۲۸)

لیس بثقة کا معنیٰ ومفہوم

اس لفظ کا درجہ مراتب جرح کے چوتھے درجہ میں آتا ہے، یہ لفظ جب کسی راوی کے بارے میں بولا جاتا ہے تو اس سے مراد یہی ہوتا ہے کہ راوی 'شدید ضعیف' یا 'متروک الحدیث' ہے، خاص کر جب کہ امام یحییٰ ابن معین اور امام نسائی رحمہما اللہ اس لفظ کا کسی راوی کے بارے میں استعمال کریں، مگر یہ مراد مطلقاً نہیں ہے کہ جب بھی 'لیس بثقة' کسی راوی کے بارے میں بولا جائے تو وہ 'شدید ضعیف' یا 'متروک الحدیث' ہوگا، کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض ضعیف راوی یا جس کے اندر تھوڑا 'لین' ہو ان کے بارے میں بھی محدثین اس لفظ کا استعمال کرتے ہیں۔

چناں چہ جب امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ 'شعبه مولٰی ابن عباس لیس بثقة' ہیں، تو اس قول کا تعقب کرتے ہوئے ابن قطان فاسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'امام مالک نے ان کی تضعیف نہیں کی ہے، بس اتنا ہے کہ انہوں نے اس راوی پر لفظ 'ثقہ' کا اطلاق مناسب نہیں سمجھا، کیونکہ محدثین لفظ 'ثقہ' سے توثیق اسی کی کرتے تھے جو عدل اور ضابط ہو......اور کبھی کبھی 'لیس بثقة' 'ضعیف اور 'متروک' کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں، لہٰذا اس لفظ سے جرح کرنے والے کی مراد کیا ہے؟ جس کے بارے میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کے احوال کے اعتبار سے فیصلہ کیا جائے گا'

(بیان الوهم و الایهام الواقعین فی کتاب الاحکام لابن القطان، ج۵، ص۳۲۵)

ابن قطان فاسی رحمہ اللہ کے بیان کردہ قاعدہ کی رو سے جب ہم 'ابو عاتکہ' راوی کے احوال کی طرف نظر کرتے ہیں اور ان کے بارے میں محدثین کے اقوال کی چھان بین کرتے ہیں تو یہ واضح ہو کر سامنے آتا ہے کہ اکثر اعتدال پسند محدثین اسی بات کے قائل ہیں کہ وہ ضعیف ہیں، لہٰذا یہاں پر امام نسائی رحمہ اللہ نے 'ابو عاتکہ' کے بارے میں جو 'لیس بثقة' فرمایا ہے وہ اسی بات پر محمول ہوگا کہ آپ نے 'ابو عاتکہ' کے بارے میں یہ قول ان کے ضعیف ہونے کی وجہ سے کیا ہے نہ کہ اس وجہ سے کہ وہ 'متروک الحدیث' ہیں۔

(ب) امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'ابو عاتکہ' 'متروک الحدیث' ہیں۔ (الضعفاء الکبیر للعقیلی، ج۲ص۲۳۰)

محدثین کے نزدیک ابو جعفر محمد بن عمرو عقیلی رحمہ اللہ بھی متشددین میں شمار ہوتے ہیں، انہوں نے اپنے اسی تشدد و تعنت ہی کی وجہ سے بڑے بڑے محدثین کو جوفن حدیث کے امام مانے جاتے ہیں' ضعفا میں شمار کیا ہے، اسی لئے محدثین کرام نے ان کے اس تحامل و تشدد کا بہت سختی سے رد فرمایا ہے۔

چناں چہ اپنی عادت کے مطابق عقیلی رحمہ اللہ نے امام علی بن المدینی رحمہ اللہ کو ضعفا میں شمار کیا ہے، امام ذہبی رحمہ اللہ ان کے اس عمل پر بڑی شدت سے رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ان کے ثقہ ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ امام المحدثین ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے آپ کی احادیث کو اپنی 'صحیح' میں کثرت سے ذکر کیا ہے۔ اگر علی بن مدینی، امام بخاری، ان کے شیخ عبدالرزاق اور عثمان بن ابی شیبہ وغیرہ کی احادیث کو چھوڑ دیا جائے تو آثار مٹ جائیں گے، زنادقہ کا بول بالا ہو جائے گا، اے عقیلی! کیا آپ کے پاس عقل نہیں؟ کیا آپ نہیں جانتے کہ آپ کس شخصیت کے بارے میں کلام کر رہے ہیں؟ کیا نہیں جانتے ہیں کہ یہ آپ سے کئی درجہ بلند تر ہیں، بلکہ وہ تو بہت سارے ثقات سے اوثق ہیں، پھر بھی آپ نے انہیں اپنی کتاب 'الضعفاء و المتروکین' میں شمار کیا آخر کیوں؟ الخ مختصراً۔'' (میزان الاعتدال للذهبی، ج۳ص۱۴۰)

امام کوثری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''عقیلی رحمہ اللہ نے ائمہ حنفیہ کی جرح و نقد میں اپنی کتاب 'الضعفا' میں شدید تحامل سے کام لیا ہے اور یہ صرف ان کے فساد اعتقاد کی وجہ سے ہے، وہ جرح و قدح کے معاملہ میں سب سے زیادہ متشدد ہیں۔''

(حاشیة الرفع و التکمیل، ص۴۰۶)

'متروک الحدیث' کا معنی و مفہوم

اس لفظ کا درجہ بھی مراتب جرح کے چوتھے درجہ میں آتا ہے جس کی حدیث شدید ضعیف ہوتی ہے، حالاں کہ بعض محدثین کرام اس متروک الحدیث راوی کی حدیث کو بھی صرف ضعف سے متصف کرتے ہیں۔ خیر اس اطلاق سے مراد یہ ہوتی ہے کہ تمام محدثین نے اس سے حدیث لینا ترک کر دیا ہے مگر یہ قاعدہ اکثری ہے کلی نہیں، کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی راوی اکثر محدثین کے نزدیک متروک ہوتا ہے مگر وہی بعض کے نزدیک ثقہ ہوتا ہے۔

احمد بن صالح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''کسی راوی کی حدیث اُسی وقت چھوڑی جاتی ہے، جب سارے محدثین اس کے ترک پر جمع ہو جائیں، لہٰذا کبھی کہا جاتا ہے 'فلان ضعیف' لیکن اگر کہا جائے 'فلان متروک' تو یہ اسی وقت بولا جاتا ہے جبکہ جمیع محدثین اس راوی کے ترک پر متفق ہو جائیں۔''

(الكفاية للخطيب البغدادی، ص۱۸۱، باب القول فی الجرح)

عبدالفتاح ابوغدۃ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''لفظ 'متروک' کی اصل دلالت تو یہی ہے جو احمد بن صالح رحمہ اللہ نے بیان کی ہے، مگر ان کا یہ بیان اس بات سے مانع نہیں کہ کوئی ناقد کسی راوی کے بارے میں 'ثقہ' کا قول کرے اور کوئی دوسرا ناقد اسی راوی کو متروک سے متصف کرے، اس کی مثال پیش خدمت ہے:

امام شافعی رحمہ اللہ کے شیخ 'ابراہیم بن محمد ابی یحی اسلمی مدنی' کے بارے میں نقاد کے مختلف اقوال ہیں اور وہ یہ ہیں:

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'لا یکتب حدیثه، ترك الناس حدیثه'

یعنی ان کی حدیث نہیں لکھی جائے گی لوگوں نے ان کی حدیث کو ترک کردیا۔

اور اسی راوی کے بارے میں بشر بن مفضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے فقہائے مدینہ سے ان کے بارے میں پوچھا تو سب نے یہی کہا کہ وہ 'کذاب' ہیں۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'ترکه ابن المبارك و الناس'

یعنی ابن مبارک رحمہ اللہ اور دوسرے محدثین نے ان سے روایت کرنا چھوڑ دیا۔

اور امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ 'متروک الحدیث' ہیں۔

اور امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ 'متروک' ہیں۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ انہیں کے بارے میں فرماتے ہیں:

کان ثقة فی الحدیث۔

یعنی وہ حدیث میں 'ثقہ' تھے۔

غالباً اسی کے پیش نظر علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے لفظ 'الجمیع' کی تفسیر اپنی کتاب 'شرح شرح النخبہ' میں اکثر سے کی ہے، فرماتے ہیں:

و لهذا کان مذهب النسائی ان لا یترك حدیث الرجل حتی یجتمع الجمیع ای الاکثر علی ترکه۔

ترجمہ: اسی لئے امام نسائی کا مذہب یہ تھا کہ کسی راوی کی حدیث کو نہ چھوڑا جائے جب تک کہ سارے لوگ یعنی اکثر ان کے چھوڑنے پر متفق نہ ہو جائیں۔

(حاشیة الرفع و التکمیل، ص۱۴۰،۱۴۱)

لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ جو راوی متروک ہے، کیا اس کی حدیث شدید ضعیف ہوگی؟ بعض محدثین کرام کے طرز بیان سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ اس راوی کی حدیث شدید ضعیف نہیں ہوگی بلکہ صرف ضعیف ہوگی، بعض مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ابن حبان اور ابن جوزی رحمہما اللہ نے حدیث ((ان اللہ عز وجل قرا (طه) و (یس) قبل ان یخلق آدم)) کو موضوع قرار دیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں، کیونکہ اس حدیث کا راوی اگر چہ اکثر کے نزدیک متروک اور بعض کے نزدیک ضعیف ہے مگر وضع حدیث سے بری ہیں۔''

(اللآلی المصنوعۃ للسیوطی، ج۱ص۱۷)

امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اصبغ شیعی' امام نسائی رحمہ اللہ کے نزدیک متروک ہیں، لہٰذا زیادہ سے زیادہ حدیث ضعیف ہے نہ کہ موضوع، امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی اسی کی صراحت کی ہے۔'' (النکت البدیعات، باب الصلاۃ، ص۶۹)

امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ((اتخذ اللہ ابراھیم خلیلا۔۔۔الحدیث)) کو موضوعات میں شمار کیا، اور اس کا سبب بتایا کہ اس حدیث میں ایک راوی جن کا نام 'مسلمہ بن خشنی' ہے انہوں نے اس حدیث کو تنہا روایت کیا ہے جو کہ 'متروک' ہیں۔ امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مسلمہ' مذکور کی اگر چہ تضعیف کی گئی ہے مگر وہ کذب سے بری ہیں۔''

(النکت البدیعات، باب المناقب، ص۲۷۱)

(ت) ابن ابی حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں نے اپنے والد گرامی 'ابو حاتم رحمہ اللہ' سے 'ابو عاتکہ' کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: وہ 'ذاہب الحدیث، ضعیف الحدیث' ہیں۔''

(الجرح و التعدیل لابن ابی حاتم، ج۴ص۴۹۴)

'ذاہب الحدیث، ضعیف الحدیث' کا معنی ومفہوم

جس راوی کے بارے یہ لفظ استعمال کیا جائے اس کی حدیث شدید ضعیف ہوتی ہے

اور اس کا مرتبہ مراتب جرح کے چوتھے درجہ میں آتا ہے۔

ابو حاتم محمد بن ادریس رحمہ اللہ کو بھی متشددین میں شمار کیا جاتا ہے۔

چناں چہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انہیں متعدد جگہ تعنت وتشدد سے متصف کیا ہے، ان کے بعض اقوال کو یہاں پر ذکر کرتا ہوں:

آپ فرماتے ہیں:

''راوی 'بشیر بن نہیک' کے بارے میں ابو حاتم رحمہ اللہ نے 'لا یحتج به' کا قول کر کے تشدد برتا ہے۔''

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''ابو حاتم رحمہ اللہ نے 'شجاع بن ولید ابو بدر سکوتی' اور 'عباد بن عباد مہلبی' کے بارے میں اپنے تشدد کی وجہ سے کلام کیا ہے۔''

(مقدمة فتح الباری، ص۶۱۶،۶۱۷)

(ث) علامہ برہان الدین حلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''طریف بن سلمان ابو عاتکہ کو امام ذہبی رحمہ اللہ نے وضع حدیث سے متہم نہیں کیا ہے، ہاں میزان الاعتدال میں اتنا ضرور فرمایا کہ: ابو عاتکہ کو 'سلیمانی' نے ان کی فہرست میں ذکر کیا ہے جو وضع حدیث سے معروف ہیں۔''

(الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث للحلبی، ص۱۳۹)

مگر صحیح اور منصفانہ قول یہ ہے کہ ابو عاتکہ 'ضعیف' ہیں، چناں چہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ جب تمام اقوال کو پیش نظر رکھ کر اپنی مصنف ''تقریب التہذیب'' میں ان کو اوسط وصف سے متصف کرنا چاہتے ہیں تو فرماتے ہیں:

''ابو عاتکہ بصری ان کا نام 'طریف بن سلمان' ہے جو کہ ضعیف ہیں، سلیمانی نے ان کے بارے میں مبالغہ سے کام لیا اور انہیں ان لوگوں کی فہرست میں داخل کر دیا جو وضع حدیث سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔''

(تقریب التهذیب لابن حجر، ص۷۷۶)

ابو عاتکہ کے بارے میں محدثین کے اقوال کا خلاصہ کلام:

اکثر متوسط اور اعتدال پسند محدثین اس بات کے قائل ہیں کہ ابو عاتکہ فقط ضعیف ہیں، انہیں متوسطین میں سے امام بخاری رحمہ اللہ ہیں جنہوں نے ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ 'منکر الحدیث' ہیں جس سے بعض لوگوں کو یہ سمجھ میں آیا کہ ان کی حدیث انتہائی ضعیف ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس سے مجروح شخص کی حدیث عام حالات میں صرف ضعیف ہی ہوتی ہے جیسا کہ تفصیلی بیان گزرا۔ البتہ ان متوسطین کے علاوہ بعض متشدد محدثین نے ان کی جرح ایسے الفاظ سے کی ہے جس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ 'شدید ضعیف' ہیں، اور وہ محدثین یہ ہیں:

امام نسائی رحمہ اللہ آپ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

''لیس بثقة ہیں۔''

اور امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''متروک الحدیث ہیں۔''

لیکن اس بحث میں زیادہ بہتر ہے کہ ان دونوں الفاظ کو ابو عاتکہ کے بارے میں ضعیف کا قول کرنے والے محدثین کے ساتھ ضم کر دیا جائے، کیوں کہ 'لیس بثقة' کبھی اس راوی کے بارے میں بھی استعمال کیا جاتا ہے جو ضعیف ہوتا ہے، اور جو راوی 'متروک' ہوتا ہے اس کی حدیث بعض محدثین کے نزدیک ضعیف ہوتی ہے، اس لئے ان دونوں الفاظ کو ان اکثر محدثین کے ساتھ ملا دینا زیادہ بہتر ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ 'ابو عاتکہ' ضعیف ہیں۔ امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے 'ابو عاتکہ' کے بارے میں فرماتے ہیں:

''ذاہب الحدیث، ضعیف الحدیث ہیں، اور سلیمانی نے ان کو وضع کرنے والوں کی فہرست میں شمار کیا ہے۔''

ان الفاظ سے مجروح راوی کی حدیث شدید ضعیف ہوتی ہے، ذاہب الحدیث راوی کی حدیث فضائل کے باب میں معتبر ہوگی، البتہ متہم بالکذب کی حدیث خاتم الحفاظ جلال

الدین سیوطی رحمہ اللہ کے نزدیک معتبر نہیں ہوگی۔

کیا راوی 'ابو عاتکہ' ضعیف ہیں؟

بہر کیف راوی 'ابو عاتکہ' کے بارے میں محدثین کے اقوال پر غور وفکر کرنے کے بعد نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ وہ ضعیف اور ان کی روایت کردہ حدیث ((اطلبوا العلم ولو بالصین)) ضعیف ہے، اس کی دو وجہیں ہیں:

پہلی وجہ:

اکثر معتدل محدثین اس بات کے قائل ہیں کہ 'ابو عاتکہ' ضعیف ہیں، اس لئے ان کی روایت کردہ حدیث ضعیف ہوگی، خاص طور سے اس صورت میں جب کہ بعض متشددین مثلاً امام نسائی اور امام عقیلی رحمہما اللہ کے اقوال بھی صرف ان کے ضعف کی طرف اشارہ کر رہے ہوں۔

دوسری وجہ:

جن محدثین کے کلام کی وجہ سے 'ابو عاتکہ' کی حدیث شدید ضعیف کے زمرے میں داخل ہو رہی ہے، ان کا متشددین میں شمار ہوتا ہے یا ایسے ہیں جنہوں نے ان کے بارے میں مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے، جن میں سے بعض ایسے ہیں اگر ان کا قول مطلقاً لے لیا جائے تو بہت سے محدثین اور ان کی احادیث سے محروم ہونا پڑے گا، لہٰذا بہتر اور سدید رائے یہ ہے کہ متوسطین کے قول کو لیا جائے، چناں چہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "معرفة الرواة المتكلم فيهم بما لا يوجب الرد" کے اکثر و بیشتر راویوں کے بارے میں یہی منہج اختیار کیا ہے؛ یعنی متوسطین کے اقوال کو متشددین کے اقوال پر ترجیح دی ہے۔

اور اگر کوئی تشدد اور تعنت کا پیروکار اس بات پر مصر ہو کہ میں تو متشددین کے اقوال پر ہی عمل کروں گا؛ تو میں اس سے التماس کروں گا ٹھیک ہے آپ کے تشدد کو ہی اختیار کر لیتے

ہیں مگر یاد رہے جمہور علما بلکہ امام نووی رحمہ اللہ نے اجماع کا قول کیا ہے کہ اگر حدیث موضوع نہ ہو تو فضائل میں معتبر ہوگی، لہٰذا 'ابو عاتکہ' کی حدیث ((اطلبوا العلم ولو بالصین)) کو اگر چہ شدید ضعیف ہونا تسلیم کر لیا جائے پھر بھی وہ فضائل کے باب میں ہونے کی وجہ سے معتبر ہوگی۔ اگر چہ صحیح یہی ہے کہ 'ابو عاتکہ' کی سند سے روایت کردہ یہ حدیث صرف ضعیف ہے۔

'ابو عاتکہ' کے علاوہ بعض دوسری سندیں

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا 'ابو عاتکہ' کی سند کے علاوہ کسی ایسی سند کے ساتھ حدیث ((اطلبوا العلم ولو بالصین)) وارد ہے، جو 'ابو عاتکہ' کی حدیث کے لئے متابع یا شاہد بن سکتی ہے؟ تو جواب ملتا ہے یقیناً اس کی دو سندیں اور ہیں، مگر کیا ان دونوں سندوں کے اندر اتنی قوت ہے جو 'ابو عاتکہ' کی حدیث کو ضعیف سے 'حسن لغیرہ' تک پہنچا دے، تو یہ راز اس وقت عیاں ہوگا جب ان سندوں کا محدثین کے اقوال کی روشنی میں جائزہ لیا جائے۔ آنے والی مندرجہ ذیل سطور میں ان دونوں سندوں پر گفتگو کرنے کی کوشش کرتا ہوں:

پہلی حدیث کی سند:

اس پہلی سند کے ساتھ حدیث کی تخریج حافظ المغرب ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''جامع بیان العلم و فضله وما ینبغی فی روایته و حمله'' میں کی ہے، اس حدیث کی سند کے ایک راوی 'یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم عسقلانی' ہیں جو متکلم فیہ ہیں۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کو صرف اس وجہ سے کذاب ٹھہرایا، کیونکہ انہوں نے حدیث ((من حفظ علی امتی اربعین......الحدیث)) کو امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کی۔ (میزان الاعتدال للذهبی، ج ص۴۴۹)

حالاں کہ یہ حدیث ان سے محفوظ نہیں۔

اور اسی سبب سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی امام ذہبی کی اتباع کرتے ہوئے انہیں کذاب بتایا، اور مزید اضافہ کیا، آپ فرماتے ہیں:

''مسلمہ بن قاسم نے اس راوی کو 'الصلۃ' میں ذکر کر کے ان کے چند شیوخ کا تذکرہ کیا، اور فرمایا: میں نے ان سے حدیثیں لکھی ہیں، علمائے حدیث کا ان کے بارے میں اختلاف ہے بعض حضرات نے ان کی تضعیف اور بعض نے توثیق کی ہے، میں نے محدثین کو دیکھا کہ وہ ان سے حدیثیں لکھ رہے ہیں تو میں نے بھی ان سے حدیثیں لکھیں اور وہ میرے نزدیک 'صالح جائز الحدیث' ہیں۔'' (لسان المیزان لابن حجر، ج۸ص۵۲۵)

امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حدیث ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) راوی 'ابو عاتکہ' اور 'عبید بن محمد' سے مروی ہے، مگر حدیث دونوں طریقوں سے ضعیف ہے۔''

(المقاصد الحسنۃ للسخاوی، ص۷۳)

اور 'عبید بن محمد' کی سند میں ''یعقوب بن اسحاق عسقلانی'' ہیں مگر پھر بھی امام سخاوی رحمہ اللہ نے ان کی حدیث کو صرف ضعیف قرار دیا۔

حافظ المغرب ابن عبد البر رحمہ اللہ 'یعقوب بن اسحاق عسقلانی' کی حدیث ((من حفظ علی امتی اربعین...... الحدیث)) جس کو انہوں نے امام مالک سے روایت کیا ہے' ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''اس حدیث کی جتنی سندیں وارد ہوئی ہیں ان میں سے احسن سند امام مالک رحمہ اللہ والی ہی سند ہے، مگر یہ حدیث امام مالک رحمہ اللہ سے مشہور و معروف نہیں، جس نے امام مالک رحمہ اللہ سے یہ حدیث روایت کی ہے اس سے اس روایت میں خطا واقع ہوئی، اور ان کی طرف ایسی حدیث کی نسبت کر دی جو ان کی احادیث سے نہیں۔'' (جامع بیان العلم و فضلہ لابن عبد البر، ص۹۶)

حافظ المغرب ابن عبد البر رحمہ اللہ نے یہ حدیث امام مالک رحمہ اللہ کی سند سے

روایت کرنے والے شخص کو صرف 'مخطی' قرار دیا ہے، اور وہ کوئی بھی ہوسکتا ہے 'یعقوب بن اسحاق عسقلانی' یا کوئی دوسرا راوی، کیوں کہ آپ نے اس سند کے خاطی راوی کی تعیین نہیں کی ہے۔

امام زین الدین عراقی رحمہ اللہ ''احیاء العلوم'' میں وارد شدہ اس حدیث کی تخریج کرکے فرماتے ہیں:

''حافظ المغرب ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔''

(تخریج احیاء العلوم للعراقی، ج ۱ ص ۵، جامع بیان العلم و فضلہ، ص ۹۵)

یعقوب بن اسحاق عسقلانی کے بارے میں ائمہ کرام کے اقوال کا خلاصہ

امام ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے انہیں ((من حفظ علی امتی اربعین...... الحدیث)) حدیث روایت کرنے کی وجہ سے کذاب قرار دیا؛ مگر مسلمہ بن قاسم نے فرمایا:

''بعض لوگوں نے ان کی توثیق کی ہے اور بعض نے تضعیف کی ہے، وہ میرے نزدیک 'صالح جائز الحدیث' ہیں۔''

امام سخاوی رحمہ اللہ نے ان کی روایت کردہ حدیث ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) کی سند کو صرف ضعیف قرار دیا۔

اسی طرح ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ''اربعین'' والی حدیث جس میں 'یعقوب بن اسحاق عسقلانی' ہیں ان کی روایت کو صرف ضعیف قرار دیا۔

اور امام مالک رحمہ اللہ سے حدیث کے روایت کرنے والے کو خاطی بتایا، مگر اس راوی کا نام واضح نہیں کیا بلکہ مبہم رکھا۔

مگر چوں کہ میری نظر میں اس حدیث کی سند میں متکلم فیہ 'یعقوب بن اسحاق عسقلانی' ہی ہیں، اس لئے زیادہ امید ہے کہ انہیں کی طرف آپ نے یہ خطا منسوب کی ہوگی، پھر بھی وہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کے نزدیک ضعیف ہی ہیں، امام زین الدین عراقی رحمہ اللہ نے بھی

ابن عبد البر رحمہ اللہ کی اتباع کرتے ہوئے ان کی حدیث کو صرف ضعیف ہی قرار دینے پر اکتفا کیا۔

جب صورت حال یہ ہے کہ 'یعقوب بن اسحاق عسقلانی' مختلف فیہ ہیں، بعض نے ان کی توثیق اور بعض نے تضعیف کی ہے، اور بعض نے انہیں ''اربعین'' والی حدیث کو امام مالک سے روایت کرنے کی وجہ سے کذاب قرار دیا ہے، حالاں کہ اسی 'اربعین' سند کی حدیث کو بعض نے ضعیف بنایا ہے۔ تو اب 'یعقوب بن اسحاق عسقلانی' سے مروی حدیث ((اطلبو العلم و لوبالصین)) کی سند کا حکم کیا ہوگا؟ نیز کیا یہ سند 'ابو عاتکہ' کے حدیث کی متابع یا شاہد بن سکے گی؟

'یعقوب بن اسحاق عسقلانی' کے بارے میں محدثین کے اقوال چوں کہ مختلف ہیں اس لئے ان کی حدیث صرف ضعیف ہوگی، البتہ ان کی یہ حدیث 'ابو عاتکہ' کی حدیث کے متابع یا شاہد بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی، کیوں کہ وہ بعض کے نزدیک کذاب ہیں، ہاں اس کی قوت میں کچھ اضافہ ضرور کرتی ہے۔

دوسری حدیث کی سند

اس حدیث کی سند کا ذکر امام ذہبی رحمہ اللہ نے ''میزان الاعتدال'' میں کیا ہے، اس کی سند میں ایک راوی 'احمد بن عبداللہ جویباری' ہیں جو محدثین کے نزدیک کذاب ہیں۔

(لسان المیزان لابن حجر، ج ۱ ص ۲۹۴)

اس لئے ان کی یہ حدیث بھی 'ابو عاتکہ' کی حدیث کے لئے متابع یا شاہد نہیں بن سکتی۔

ابن جوزی رحمہ اللہ پر تعقبات

خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے پہلے اپنی کتاب ''اللآلئ المصنوعة'' میں ابن جوزی رحمہ اللہ کی کتاب ''الموضوعات'' پر تفصیل کے ساتھ تعقب فرمایا، پھر آپ نے اس کی تلخیص کی جو ''التعقبات'' اور ''النکت البدیعات'' کے نام سے مشہور ہوئی۔

ابن جوزی رحمہ اللہ نے 'ابو عاتکہ' کی حدیث ((اطلبو االعلم و لو بالصین)) کو موضوعات سے شمار کیا ہے، خاتم الحفاظ نے اس حدیث پر اپنی کتاب ''النکت البدیعات'' میں جو تعقب کیا ہے اس میں کچھ اضافہ ہے، اس لئے اس کی عبارت کا مفہوم پیش کرتا ہوں، آپ فرماتے ہیں:

''امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی اپنی کتاب 'شعب الایمان' میں 'ابو عاتکہ' کے طریق سے تخریج کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: اس حدیث کا متن مشہور اور اسناد ضعیف ہے۔''

خاتم الحفاظ فرماتے ہیں:

''ابو عاتکہ 'ترمذی کے رجال سے ہیں جو کذب سے 'متہم' نہیں، اور مجھے اس حدیث کی ایک متابع ملی ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس کو ابو یعلی رحمہ اللہ نے اپنی 'مسند' اور ابن عبد البر رحمہ اللہ نے 'جامع بیان العلم و فضلہ' میں کثیر بن شنظیر عن ابن سیرین عن انس کے طریق سے تخریج کیا ہے، (راقم الحروف کو جامع بیان العلم وفضلہ میں یہ سند تو ملی مگر اس میں ((اطلبوا العلم ولو بالصین)) کے الفاظ نہیں ہیں) نیز اس متن کی تخریج ابن عبد البر رحمہ اللہ نے 'عبید بن محمد الفریابی عن سفیان بن عیینہ عن الزہری عن انس' کے طریق سے بھی کی ہے، اور نصف ثانی یعنی ((فان طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم)) کی تخریج ابن ماجہ نے اپنی سنن میں کی ہے، اور اس حدیث کے کئی طرق ہیں جس کے مجموعی سند سے یہ حدیث مرتبہ حسن تک پہنچ جائے گی۔''

(النکت البدیعات للسیوطی، ص۴۳،۴۴)

خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی اس عبارت سے پتہ چلا کہ 'ابو عاتکہ' کی حدیث ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) کی ایک متابع بھی ہے جو 'کثیر بن شنظیر عن ابن سیرین عن انس' کے طریق سے تخریج کی گئی ہے، جس کی وجہ سے حدیث ((اطلبوا العلم و لو بالصین) حسن لغیرہ ہوسکتی ہے، مگر یہ اسی وقت حکم لگے گا جب کہ یہ حدیث 'مسند ابی یعلی'

میں اس سند کے ساتھ مذکورہ بالا متن مل جائے۔ (راقم الحروف کو مصر کی بعض لائبریری میں یہ کتاب نہیں ملی ان شاء اللہ ملنے پر حکم واضح کیا جائے گا) نیز خاتم الحفاظ نے جو یہ فرمایا: 'اس حدیث کے کئی طرق ہیں جس کے مجموعہ سے حدیث مرتبہ حسن تک پہنچ جائے گی' ان کی اس عبارت سے مراد حدیث کا پہلا جز یعنی ((اطلبوا العلم و لو بالصين)) ہے یا دوسرا جز ((طلب العلم...... الحديث)) ہے، احتمال تو دونوں کا ہے: مگر خاتم الحفاظ کی عبارت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی مراد اس سے جز ثانی ہے، مگر جب ہم ''کشف الخفاء'' کی عبارت پر غور کرتے ہیں تو یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ خاتم الحفاظ کی عبارت سے جزءِ اول مراد ہونا چاہیے، ''کشف الخفاء'' کی عبارت کا مفہوم مندرجہ ذیل ہے:

علامہ عجلونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حدیث ((اطلبوا العلم و لو بالصين)) امام بیہقی اور خطیب بغدادی اور ابن عبد البر اور دیلمی وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے، جو کہ ضعیف ہے؛ بلکہ ابن حبان نے کہا کہ یہ باطل ہے، اور ابن جوزی نے اس کو 'الموضوعات' میں شمار کیا ہے؛ مگر ابن جوزی رحمہ اللہ کی اس بات کا ماننا مشکل ہے، کیوں کہ امام مزی رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: اس حدیث کے متعدد طرق ہیں جس کی وجہ سے حدیث درجہ حسن تک پہنچ سکتی ہے۔

اور امام ذہبی رحمہ اللہ 'تلخیص الواہیات' میں فرماتے ہیں: یہ حدیث متعدد واہی طرق سے روایت کی گئی ہے، اس کے بعض طرق صالح بھی ہیں۔

اور ابو یعلی نے اپنی مسند میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے؛ جس کے الفاظ ((اطلبوا العلم و لو بالصين)) ہیں......''

پھر امام عجلونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جملہ ثانیہ یعنی ((طلب العلم ...... الحديث)) کا ذکر بعد میں آئے گا جس کی تخریج ابن ماجہ وغیرہ نے کی ہے۔'' (کشف الخفاء للعجلونی، ج ۱ص ۱۵۴)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ امام مزی اور امام ذہبی رحمہما اللہ کا قول حدیث ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) کے بارے میں ہی ہے، یہاں پر حدیث کا جملہ ثانیہ ((طلب العلم الحدیث)) مراد نہیں ہوسکتا، کیوں کہ علامہ عجلونی رحمہ اللہ امام مزی اور امام ذہبی رحمہما اللہ کا قول ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) کے بارے میں ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''جملہ ثانیہ کا ذکر بعد میں آئے گا جس کی تخریج ابن ماجہ وغیرہ نے کی ہے۔''

اس لئے میری رائے یہ ہے کہ خاتم الحفاظ کی اس عبارت سے 'اس حدیث کے کئی طرق ہیں جس کے مجموع سے حدیث مرتبہ حسن تک پہنچ جائے گی' جزء اول مراد ہونا چاہئے، اور اگر کوئی ان کی عبارت سے جزء اول مراد ہونا تسلیم نہ کرے تو نہ کرے، مگر اسے علامہ عجلونی رحمہ اللہ کی عبارت تو تسلیم کرنی ہی پڑے گی، کیونکہ ان کی عبارت میں اس بات کی صراحت ہے کہ امام مزی اور امام ذہبی رحمہما اللہ نے حدیث ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) کے بارے میں ہی فرمایا ہے کہ اس کے متعدد طرق ہیں جس کی وجہ سے یہ حدیث درجہ حسن تک پہنچ سکتی ہے یا یہ کہ اس کے بعض طرق صالح ہیں، اور یہی میرے نزدیک صحیح اور درست ہے جب تک کہ اس کے خلاف کوئی مضبوط دلیل نہ مل جائے۔

محقق عصر کا تعاقب

چند ماہ قبل عصر حاضر کے محقق، اصول حدیث کی نزاکتوں سے واقف، محدثین کے سارے اصول وضوابط کو پیش نظر رکھنے والے قابل احترام محقق۔ بہ قول محترم خوشتر نورانی صاحب قبلہ۔ (یعنی شہید بغداد علامہ اسید الحق رحمہ اللہ) نے حدیث ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) پر اپنی تحقیق پیش کی تھی، محقق صاحب کی اس تحقیق میں بعض غلطیاں در آئی ہیں جس کو احقاق حق کے لئے واضح کرنا ضروری ہے، اور وہ مندرجہ ذیل ہیں:

محقق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ابن حبان اور دیگر کئی ناقدین نے اس کے موضوع ہونے کا فیصلہ سنا دیا ہے۔''

تعقب:

یہ خالص دعویٰ بلا دلیل ہے، اس طرح کے دیگر دعاوی ''جام نور'' کے قارئین کو ان کے احادیث موضوعہ پر لکھے گئے مضمون میں ملیں گے۔ مثال کے طور پر ایک جگہ فرماتے ہیں:

''حدیث ((الشیخ فی قومه کالنبی فی امته)) کافی تلاش کے باوجود یہ حدیث ہمیں نہیں ملی۔''

کس طور سے کافی تلاش وجستجو کی گئی اور محقق صاحب کو یہ حدیث نہیں ملی میری سمجھ سے باہر ہے، کیونکہ خدا کا شکر ہے جب میں نے ان کا مضمون پڑھا اسی وقت میرے حاشیہ ذہن میں یہ بات آ گئی تھی کہ یہ حدیث کتاب ''اللآلئ المصنوعة'' (اللآلئ المصنوعة للسیوطی، ج۱ص۱۴۰) مطالعہ کرتے وقت نظر سے گزر چکی ہے، جس کا محقق رحمہ اللہ نے حوالہ بھی دیا ہے، تعجب ہے محقق رحمہ اللہ کو کافی جستجو کے بعد بھی یہ حدیث نہیں ملی، اگرچہ جو کتاب محقق رحمہ اللہ کے زیر مطالعہ ہے اسی میں مطلوبہ حدیث موجود ہے!

راقم الحروف کو تھوڑی سی کوشش کے بعد بلفظہٖ اور تقدیم وتاخیر کے ساتھ اس حدیث کے دیگر مراجع ملے، اختصار کے پیش نظر بعض کتابوں کے حوالے پیش کر دیتا ہوں، دیکھیں:

(۱) المقاصد الحسنة للسخاوی، ص۲۶۴، مطبع: دار الکتاب العربی

(۲) الاسرار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة لعلی القاری، ص۳۳۹

(۳) المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع لعلی القاری، ص۱۱۵، مطبع: دار البشائر الاسلامیة

(۴) تنزیه الشریعة المرفوعة لابن عراق الکنانی، ج۱ص۱۹۴، مطبع: المکتبة التوفیقیة، مصر

وغیرہ۔

محقق رحمہ اللہ نے بھی پہلی تین کتابوں کا اپنے مضمون میں حوالہ پیش کیا ہے مگر انہیں کافی تلاش وجستجو کے بعد بھی مذکورہ بالا حدیث نہیں مل سکی، تعجب در تعجب ہے!!! محقق رحمہ اللہ

سے عریضہ ہے کہ ابن حبان رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر کئی ناقدین جنہوں نے اس حدیث یعنی ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) کو موضوع قرار دیا ہے، بیان کر کے میرے اور دوسرے لوگوں کے علم میں اضافہ فرمائیں۔

اور فرماتے ہیں:

''ابن جوزی نے دو سندیں بیان کی ہیں ایک میں 'حسن بن عطیہ' ہیں اور دوسرے میں 'ابو عاتکہ' اور دونوں 'متکلم فیہ' ہیں۔''

تعقب:

یہ بھی غلط ہے، کیونکہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے تین سندیں ذکر کیں ہیں یا پھر ایک، اگر اصل سند کا اعتبار کیا جائے تو ایک ہی سند ہے اور فرعی سندوں کا اعتبار کیا جائے تو تین سندیں ہیں، کیونکہ ان کی ذکر کردہ سندوں کی اصل 'ابو عاتکہ' ہی ہیں۔ دو فرعی سندوں میں 'حسن بن عطیہ کوفی' اور ایک میں 'خالد بن خیاط' نے 'ابو عاتکہ' سے حدیث کو روایت کیا ہے، اور جس سند میں بھی 'حسن بن عطیہ کوفی' ہیں اس میں 'ابو عاتکہ' ضرور ہیں، ایسا نہیں ہے کہ کوئی سند ابن جوزی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہو جس میں 'حسن بن عطیہ کوفی' تو ہوں مگر اس میں 'ابو عاتکہ' نہ ہوں، جیسا کہ محقق رحمہ اللہ کی عبارت سے ظاہر ہو رہا ہے۔ نیز تحقیق کے باب میں کسی ناقد کی جرح کو کسی راوی کے بارے میں ذکر کرنے کے بجائے 'متکلم فیہ' کہہ کر گزر جانا مناہج محدثین سے ناواقفیت کی دلیل ہے، کیونکہ جب ناقد نے 'مبہم' نہیں رکھا تو کسی محقق کو کیا حق بنتا ہے کہ اسے وہ مبہم پیش کرے۔

'حسن بن عطیہ کوفی' کو 'متکلم فیہ' کہہ کر حدیث کو رد کرنا عجیب و غریب ہے؛ کیونکہ وہ کذاب یا وضاع نہیں بلکہ وہ تو 'صدوق' ہیں جس کی روایت کردہ حدیث حسن لذاتہ ہوتی ہے، شاید محقق رحمہ اللہ کے نزدیک مذکورہ حدیث حسن لذاتہ ہو لیکن پھر بھی ان کے نزدیک اس پر عمل کرنا بہتر نہ ہو۔ بلکہ کسی بھی راوی کو صرف 'متکلم فیہ' کہہ کر رد کرنا درست نہیں، کیوں کہ ایسے کتنے راوی ہیں جو 'متکلم فیہ' ہیں مگر ان کی حدیثیں صحیحین میں مذکور ہیں، بلکہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے تو اپنی کتاب 'معرفة الرواة المتكلم فيهم بما لا يوجب الرد'

میں ۳۹۶ راویوں کو ذکر کیا ہے، کتاب کے نام سے امام ذہبی رحمہ اللہ کا مقصد واضح ہے۔

محقق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یعقوب بن اسحاق کو ذہبی نے کذاب کہا ہے۔''

تعقب:

محقق رحمہ اللہ کو امام ذہبی رحمہ اللہ کا قول نظر آ گیا اور اس کو نقل کر دیا؛ مگر آں جناب کو ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی عبارت جو ''اللآلئ المصنوعة'' میں مذکور ہے وہ نظر نہیں آئی؛ کیوں کہ اس عبارت میں ابن حجر رحمہ اللہ نے 'یعقوب بن اسحاق' کے بارے میں مسلمہ بن قاسم رحمہ اللہ کے ذریعہ بعض محدثین کی توثیق بھی نقل کی ہے جس میں خود مسلمہ بن قاسم رحمہ اللہ نے اپنی رائے بھی پیش کی ہے، فرماتے ہیں:

''وہ میرے نزدیک 'صالح جائز الحدیث' ہیں۔''

اگر ابن حجر رحمہ اللہ بھی چاہتے تو صرف 'کذاب' ہی کہنے پر اکتفا کرتے، مگر انہیں معلوم تھا کہ علمی خیانت بھی ایک جرم ہے جس سے بچنا ضروری ہے، اس لئے انہوں نے اس ناقد کا بھی قول ذکر کر دیا جس نے ان کی توثیق کی تھی۔

محقق رحمہ اللہ نے حدیث ((اطلبوا العلم و لو بالصين)) کو ''کان'' کے اضافہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

تعقب:

مَیں نے اب تک جتنی کتابیں پڑھی ہیں اس میں اس لفظ کا وجود نہیں، بلکہ محقق صاحب نے جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے اس میں بھی دور دور تک اس لفظ کا پتہ نہیں، اگر یہ لفظ محقق رحمہ اللہ کی نظر سے کہیں کسی معتمد کتاب میں گزرا ہو تو میرے علم میں بھی اضافہ فرمائیں۔

محقق رحمہ اللہ کے مقالہ 'تقریروں میں موضوع روایات ایک لمحہ فکریہ' میں دوسری بعض جگہیں بھی تحقیق طلب ہیں؛ مگر تعلیمی مصروفیات کی وجہ سے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

خلاصہ بحث

(۱) امام ابن جوزی رحمہ اللہ کی کتاب ''الموضوعات'' میں کسی حدیث کا ہونا اس بات پر دلالت نہیں کہ حدیث موضوع ہے، ہاں اگر کسی ناقد حدیث نے ان کی کتاب میں موجود حدیث کے موضوع ہونے کا قول کیا ہے تو اس صورت میں وہ حدیث موضوع قرار دی جاسکتی ہے۔

(۲) 'ابو عاتکہ' سے روایت کرنے والے شخص 'حسن بن عطیہ کوفی' صدوق ہیں نہ کہ ضعیف، ہاں ان کے ہم نام 'حسن بن عطیہ عوفی' وہ ضرور ضعیف ہیں۔

(۳) امام ابن حبان رحمہ اللہ نقد احادیث ورجال میں متشدد ومتساہل ہیں۔

(۴) حدیث((اطلبوا العلم و لو بالصین))

(ا) امام مزی اور امام ذہبی رحمہما اللہ کے اقوال کی روشنی میں تعدد طرق کی وجہ سے حسن یا صالح ہے۔

(ب) 'ابو عاتکہ' اور 'یعقوب بن اسحاق عسقلانی' کی روایت کے اعتبار سے حدیث ضعیف ہے یا شدید ضعیف نہ کہ موضوع، بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان دونوں سندوں کے اعتبار سے بھی حدیث صرف ضعیف ہے جیسا کہ دلائل و براہین سے واضح ہو چکا۔ بہر صورت حدیث تعدد طرق کے اعتبار سے حسن ہے، اور اگر حدیث کو ضعیف ہی مان لیا جائے جب بھی اس پر عمل کرنا درست ہوگا کیونکہ یہ حدیث فضائل کے باب میں ہے، اور اس میں حدیث ضعیف بھی مقبول ہوتی ہے، لہٰذا کسی محقق کا یہ کہنا کہ اس حدیث کو بیان کرنے میں احتیاط کرنا چاہئے' بلا وجہ ہے۔

هذا ما ظهر لي والله اعلم بالصواب۔



مصادر

(۱) الارشاد الیٰ کیفیة دراسة الاسناد لرضا زکریا

(۲) الاسامی والکنی، لابی احمد الحاکم

(۳) بیان الوھم و الایھام الواقعین فی کتاب الاحکام لابن القطان

(۴) التاریخ الکبیر للبخای، مطبع:دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان

(۵) تقریب التھذیب لابن حجر، مطبع:دار الحدیث، القاھرة، مصر

(۶) تھذیب التھذیب لابن حجر العسقلانی،مطبع دار الفکر

(۷) تنقیح التحقیق فی احادیث التعلیق لمحمد بن احمد عبدالھادی الحنبلی، مطبع:دار اضواء السلف، الریاض

(۸) تخریج احیاء العلوم للعراقی

(۹) جامع بیان العلم و فضله لابن عبد البر ،مطبع:دار ابن حزم

(۱۰) الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ، مطبع:دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان

(۱۱) حاشیة الرفع والتکمیل

(۱۲) سنن التر مذی

(۱۳) سؤالات ابن ابی شیبة لعلی بن المدینی، مطبع:مکتبة المعارف، الریاض

(۱۴) سیر اعلام النبلاء للذھبی ، مطبع:مؤسسة الرسالة

(۱۵) شرح علل الترمذی لابن رجب الحنبلی،مطبع:عالم الکتب

(۱۶) شعب الایمان للبیھقی،مطبع:دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان

(۱۷) الضعفاء الکبیر للعقیلی، مطبع:دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان

(۱۸) الضعفاء والمتروکین للنسائی، مطبع:مؤسسة الکتب الثقافیة، بیروت، لبنا ن

(۱۹) العلل و معرفة الرجال، مطبع:المکتبة الاسلامیة، ترکیا، استنبول

(۲۰) الکاشف فی معرفة من له روایة فی الکتب السته للذهبی، مطبع: دار الیسر للنشر، المدینة المنورة

(۲۱) الکامل لابن عدی ،مطبع:دار الفکر، بیروت، لبنان

(۲۲) الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث للحلبی، مطبع:عالم الکتب، بیروت، لبنان

(۲۳) کشف الخفاء للعجلونی، مطبع:دار التراث، القاهرة، مصر

(۲۴) الکفایة للخطیب البغدادی

(۲۵) اللآلی المصنوعة للسیوطی، مطبع:دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان

(۲۶) لسان المیزان لابن حجر

(۲۷) اللؤلؤ المرصوع للقاوقجی، مطبع:دار البشائر الاسلامیة، بیروت

(۲۸) المقاصد الحسنة للسخاوی، مطبع:دار الکتب العربی، بیروت

(۲۹) مقدمة فتح الباری بشرح صحیح البخاری لابن حجر، مطبع:دار الحدیث

(۳۰) مقدمة النکت البدیعات علی الموضوعات، مطبع:دار الجنان

(۳۱) المغنی فی الضعفاء للذهبی

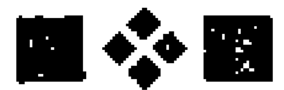
(۳۲) الموضوعات لابن الجوزی،مطبع:مکتبة السلفیة، المدینةالمنورة

(۳۳) میزان الاعتدال للذهبی، مطبع:دار المعرفة، بیروت، لبنان

(۳۴) نزهة النظرشرح نخبة الفکر، مکتبة الرحاب، مصر

(۳۵) النکت علی کتاب ابن الصلاح لابن حجر ،مطبع:المکتبة التوفیقیة، مصر

(۳۶) النکت البدیعات علی الموضوعات، مطبع:دار الجنان



حدیث مشہور ((حب الوطن من الایمان))
ایک تحقیقی جائزہ

وطن اس مکان یا جگہ کا نام ہے جہاں انسان اقامت پذیر ہوتا ہے، انسان جب اس جگہ پر اپنی قیمتی زندگی کا کچھ اہم حصہ گزار لیتا ہے؛ تو اسے اس جگہ اور وہاں کی عمارتوں اور اس کے گردونواح رہنے والے افراد سے فطری طور پر کافی انسیت اور محبت پیدا ہو جاتی ہے؛ اسی لئے جب کوئی انسان کسی ضرورت کے پیش نظر وطن سے دور ہوتا ہے؛ تو اس کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ جلد سے جلد اپنے وطن عزیز کو واپس ہو جائے، اور اس محبت میں کوئی قباحت بھی نہیں؛ کیونکہ اس کا ثبوت صحیح حدیث نبوی سے ملتا ہے، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو وطن سے محبت کرنے کا حق دیا ہے۔ وطن سے محبت کرنے کے بارے میں جو حدیثیں وارد ہوئیں ہیں، ان میں سے ایک حدیث مشہور ((حب الوطن من الایمان)) بھی ہے، جس کا معنی ہے: ((وطن سے محبت ایمان کی علامت ہے)) بعض علمائے کرام آج بھی اسے اپنے مقالوں یا تقریروں میں وطن سے محبت کرنے کے تعلق سے دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں، میں علمائے حدیث کے اقوال زریں کی روشنی میں اس حدیث کا حکم واضح کرنے کی کوشش کروں گا۔ آیا حدیث صحیح ہے یا حسن؟ ضعیف ہے یا موضوع؟ تا کہ ان پر ظاہر و باہر ہو جائے کہ اس حدیث کو اپنے موقف کے لئے دلیل بنانا کہاں تک صحیح ہے، اور کہاں تک غلط۔ ان شاء اللہ آنے والی سطروں میں پہلے اس حدیث کے بارے میں جرح کرنے والے محدثین کے اقوال ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ارتقا کرتے ہوئے ترتیب کے ساتھ پیش کروں گا۔ پھر ان علمائے محدثین کے اقوال ذکر کروں گا جنھوں نے اس حدیث کے معنی کی کسی ناحیے سے تائید کی ہے، ساتھ ہی ساتھ

ان کی اصطلاحات مثلاً ''لا اصل له'' وغیرہ کے معانی صاف الفاظ میں بیان کروں گا؛ تاکہ قارئین کرام کو آسانی کے ساتھ بحث سمجھ میں آجائے۔فارجو اللّٰہ تعالٰی ان یھدینا الی سواء الطریق بجاہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ آمین۔

مگر حدیث مذکور کے بارے میں علمائے حدیث کے اقوال ذکر کرنے سے پہلے مناسب سمجھتا ہوں کہ حدیث مشہور کا حکم بیان کر دوں؛ کیوں کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جب وہ حدیث کے ساتھ مشہور کا لفظ سنتے ہیں؛ تو اپنی نادانی کی وجہ سے ان کا ذہن یہی کہتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، حالاں کہ حقیقت اس کے برخلاف ہے؛ کیوں کہ حدیث کے مشہور ہونے کو صحت لازم نہیں۔ذیل میں حدیث مشہور کی تعریف اور اس کے اقسام مثال کے ساتھ سہل انداز میں بیان کرتا ہوں:

حدیث مشہور کی تعریف

امام المحدثین ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ھو الحدیث الذی روی بطرق محصورۃ باکثر من اثنین و لم یبلغ حد التواتر''

ترجمہ: حدیث مشہور وہ حدیث ہے جس کے روای معین اور محدود ہوں اس طور سے کہ ہر طبقہ میں دو سے زیادہ روای ہوں اور ان راویوں کی تعداد حد تواتر تک نہ پہنچی ہو۔(نزھۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر لابن حجر العسقلانی، ص۳۱)

حدیث مشہور کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم:

جس کے طرق دو سے زائد ہوں، اس قسم کی مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) **حدیث صحیح**: عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے، وہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں:

((ان اللّٰہ لا یقبض العلم انتزاعاینتزعہ من العباد، و لکن یقبض

العلم بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالما اتخذ الناس رؤوسا جهالا، فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلو و اضلوا)) اخرجه البخاری و مسلم وغیرهما۔

(ب) **حدیث حسن**: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:
((طلب العلم فریضة علی کل مسلم)) اخرجه ابن ماجه فی سننه۔

(ج) **حدیث ضعیف**: ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) اخرجه البخاری فی تاریخه وغیره۔ (التحقیق و الایضاح لمحمد ابو عمارة، ص۴۵-۴۸)

دکتور مصطفیٰ محمد ابو عمارہ استاذ الحدیث جامعة الازهر الشریف کی تحقیق کے مطابق اگر چہ یہ حدیث ضعیف ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ حدیث حسن ہے، جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "النکت البدیعات" میں فرمایا ہے؛ کیوں کہ اس کے متعدد ضعیف طرق ہیں، جس کی وجہ سے یہ حدیث درجہ ضعف سے ارتقا کر کے حسن تک پہنچ جاتی ہے۔

دوسری قسم:

وہ حدیث جو لوگوں کی زبان زد ہو خواہ اس کی ایک سند ہو، یا ایک سے زائد؛ بلکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حدیث مشہور تو ہوتی ہے مگر اس کی کوئی سند ہی نہیں ہوتی۔ (نزهة النظر شرح نخبة الفکر لابن حجر، ص۳۲)

اس قسم کی بعض مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) **حدیث صحیح**:

((المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده، و المهاجر من هجر ما نهی الله عنه)) اخرجه البخاری ومسلم رحمهما الله تعالیٰ۔

(ب) **حدیث حسن**:

((المستشار مؤتمن)) اخرجه الترمذی و حسنه۔

(ج) **حدیث ضعیف**:

((نیة المؤمن خیر من عمله)) اخرجه الطبرانی و غیره.

(د) **حدیث موضوع**:

((الباذنجان لما اکل له))

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اس جیسی اور دوسری حدیثوں کو مثال میں پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"کلها باطلة لا اصل له"

یعنی یہ ساری حدیثیں باطل موضوع ہیں ان کی کوئی اصل نہیں۔

(تدریب الراوی لجلال الدین السیوطی، ص۴۴۳-۴۴۹)

امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"و قد یشتهر بین الناس احادیث هی موضوعة بالکلیة و ذلك کثیر جدا"

ترجمہ: اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بہت سی حدیثیں لوگوں کے درمیان مشہور ہوتی ہیں جو موضوع ہوتی ہیں، اور یہ کثرت سے پائی جاتی ہیں۔

(فتح المغیث للسخاوی، ج۳ص۳۵)

مذکورہ بالا بیان سے روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ حدیث مشہور صرف صحیح نہیں ہوتی بلکہ حسن ضعیف اور موضوع بھی ہوتی ہے۔ اب اصل موضوع کی طرف آتے ہیں:

حدیث ((حب الوطن)) کے بارے میں ناقدین کے اقوال

حدیث ((حب الوطن من الایمان)) کے بارے میں علمائے محدثین کے مختلف اقوال ملتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(ا) ان علمائے محدثین کے اقوال جنھوں نے حدیث مذکور کے بارے میں 'لم اقف علیه' یا اس کے ہم معنی قول کیا ہے:

(الف) امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"حدیث ((حب الوطن من الایمان)) لم اقف علیه۔"

(الدرر المنتشرة فی الاحادیث المشتهرة لجلال الدین السیوطی، ج۱ص۹)

(بَ) امام بدرالدین زرکشی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اس کے قائل ہیں؛ چناں چہ ابوالمحاسن محمد بن خلیل قاوقجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"حدیث ((حب الوطن من الایمان)) قال الزرکشی کالسخاوی: لم اقف علیه۔"

(اللؤلؤ المرصوع فیما لا اصل له او باصله موضوع للقاوقجی، ص۷۲)

(ج) علامہ مرعی بن یوسف کرمی مقدسی ازہری حنبلی فرماتے ہیں:

"حدیث ((حب الوطن من الایمان)) قال بعضهم: لم اقف علیه۔"

(الفوائد الموضوعة فی الاحادیث الموضوعة لمرعی بن یوسف الکرمی، ص۱۰۳)

(د) امیر مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"((حب الوطن من الایمان)) لم یعرف۔"

(النخبة البهیة فی الاحادیث المکذوبة للامیر المالکی، ج۱ص۵۲)

(ہ) علامہ نورالدین ابوالحسن سمہودی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"حدیث ((حب الوطن من الایمان)) قال الحافظ ابن حجر: لم اقف علیه۔"

(الغماز علی اللماز فی الموضوعات المشهورات للسمهودی، ص:۹۷)

(و) امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"((حب الوطن من الایمان)) لا اعرفه"

(مختصر المقاصد الحسنة للزرقانی، ص:۱۱۱)

محدثین کے نزدیک 'لم اقف علیه' کا مفہوم

'لم اقف علیه' اور اس کے مثل دوسرے الفاظ مثلاً 'لا اعرفه' و 'لم اجد له اصلا' اور 'لا یعرف' وغیرہ اگر کسی مشہور و معروف ناقد سے کسی حدیث کے بارے میں صادر ہوا ہو، اور اس پر کسی نے تعقب نہ کیا ہو تو وہ حدیث موضوع قرار دی جائے گی۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قال الحافظ ابن حجر رحمه الله: اذا قال الحافظ المطلع الناقد فی حدیث: لا اعرفه، اعتمد ذلك فی نفیه۔"

ترجمہ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب کوئی حافظ حدیث ناقد جس کی حدیثوں پر نظر ہو کسی حدیث کے بارے میں کہے 'لا اعرفه' تو اس ناقد کے قول پر اعتماد کر کے اس حدیث کی نفی کر دی جائے گی۔ یعنی وہ حدیث موضوع قرار دی جائے گی؛ کیوں کہ اس حدیث کی حضور ﷺ سے کوئی اصل نہیں۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ امام المحدثین ابن حجر رحمہ اللہ کا قول ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"لانه بعد تدوین الاخبار و الرجوع الی الکتب المصنفة، یبعد عدم الاطلاع من الحفاظ الجهبذة علی ما یورده غیره، فالظاهر عدمه۔"

ترجمہ: کیوں کہ احادیث کی تدوین ہو چکی، اور علما نے اسے اپنی مصنفات میں محفوظ کر دیا؛ تو اب فن حدیث کے عالم و ناقد سے بہت بعید ہے کہ حدیث کی اصل ہو، اور وہ اس پہ مطلع نہ ہو سکے؛ لہٰذا کسی ناقد کا حدیث پر مطلع نہ ہونا ظاہر طور پر اس بات پر دلیل ہے کہ اس حدیث کا وجود نہیں۔

(تدریب الراوی، النوع الثانی و العشرون، ص۲۵۷)

دوسری جگہ امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"و فی 'جمع الجوامع' لابن السبکی اخذ امن المحصول وغیرہ: من المقطوع بکذب ہ ما نقب من الاخبار ولم یوجد عند اھلہ من صدور الرواۃ و بطون الکتب. و کذا قال صاحب المعتمد، قال العز بن جماعۃ: و ھذ اقد ینازع فی افضائہ الی القطع، و انما غایتہ غلبۃ الظن۔"

ترجمہ: جس حدیث کے بارے میں تحقیق و تدقیق کی گئی اور وہ اہل فن کے پاس جنھوں نے اپنے سینوں میں حدیثیں محفوظ کر رکھی ہیں اور مصنفات میں نہ مل سکیں تو اس حدیث کا موضوع ہونا قطعی ہے۔ ایسا ہی صاحب 'المعتمد' نے بھی فرمایا ہے۔

امام عز بن جماعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ایسی صورت میں یہ کہنا کہ حدیث قطعی طور پر موضوع ہے' قابل قبول نہیں، ہاں ظن غالب ضرور ہے کہ وہ حدیث موضوع ہے۔

(تدریب الراوی، النوع الحادی و العشرون، ص۲۴۱)

اسی کے قائل امام ابن عراق کنانی اور حافظ علائی رحمہما اللہ بھی ہیں۔ اس باب میں جن علمائے حدیث ونقاد کے اقوال پر اعتماد کیا جائے گا ان میں سے بعض کے اسماء ذکر کیے جاتے ہیں۔ بعض متقدمین کے اسما یہ ہیں:

- امام احمد بن حنبل
- علی بن المدینی
- یحییٰ بن معین وغیرہم

عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ان متقدمین کی طرح بعض متاخرین بھی ہیں جن کے اقوال پر اعتماد کیا جائے گا مثلاً حافظ ضیا مقدسی، ابن صلاح، ابن حجر، سخاوی، سیوطی وغیرہم رحمہم

اللہ تعالیٰ۔"

(تنزيه الشريعة المرفوعة لابن عراق الكتاني، ج١ص١٣،مقدمة المصنوع فی معرفة الحديث الموضوع للملاعلی القاری، ص٢٥-٢٧/٣٨-٤٢)

(٢) ان علمائے محدثین کے اقوال جنھوں نے حدیث مذکور کے بارے میں 'لا اصل له' کا قول کیا ہے:

(الف) علامہ علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"حديث ((حب الوطن من الايمان)) لا اصل له عند الحفاظ۔"

(المصنوع فی معرفة الحديث الموضوع، ص٩١)

(ب) عبدالعزیز بن محمد فرماتے ہیں:

"قال: (ای الصغانی) و منها (ای من الاحاديث الموضوعة) قولهم:((حب الوطن من الايمان)) قلت: لا اصل له۔"

(التهانی فی التعقيب علی موضوعات الصغانی لعبد العزيز، ص٦٥)

محدثین کے نزدیک 'لا اصل له' کا معنی

اس کے مختلف اطلاقات ہیں، اختصار کے ساتھ یہاں پر ذکر کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

(الف) علمائے محدثین کبھی کہتے ہیں:

'هذا الحديث لا اصل له' و 'لا اصل له بهذا اللفظ' و 'ليس له اصل' وغيره۔

اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ جس حدیث پر ان الفاظ کے ساتھ کلام کیا گیا ہے اس کی کوئی سند نہیں۔

امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قولهم: هذا الحديث ليس له اصل، او لا اصل له ، قال ابن تيمية: معناه ليس له اسناد۔" انتهى

ترجمہ: محدثین کرام کا یہ کہنا: 'هذاالحديث ليس له اصل' یا یہ کہنا: 'لا اصل له'

اِبن تیمیہ نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ اس حدیث کی کوئی سند نہیں۔

(تدریب الراوی، النوع الثانی و العشرون، ص ۲۵۷)

عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”و اذا کان الحدیث لا اسناد له، فلا قیمة له و لا یلتفت الیه اذ الاعتماد فی نقل کلام سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الینا، انما ھو علی الاسناد الصحیح الثابت، او ما یقع موقعه، و ما لیس کذلك فلا قیمة له۔“

ترجمہ: جس حدیث کی کوئی اسناد نہ ہو اس حدیث کی کوئی قیمت نہیں، اس کا کوئی اعتبار نہیں، کیوں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال نقل کرنے میں صحیح اسناد یا جو اس کے قائم مقام ہو پر ہی اعتماد ہے، اور جو اس حد سے خارج ہو اس کی کوئی قیمت نہیں۔“ (مقدمة المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع)

(ب) اور کبھی علمائے محدثین مسند حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

”ھذا الحدیث لا اصل له، یعنون به: انه موضوع مکذوب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، او علی الصحابی، او علی التابعی، الذی اسند قوله الیه، و ذلك بان یکون للحدیث سند مذکور، و لکن فی سنده کذاب او وضاع او دلالة صریحة، او قرینة ناطقة بکذب المنقول به، فقولھم فیه حینئذ: لا اصل له، یعنون به: کذب الحدیث، لا نفی وجود اسناد له۔“

ترجمہ: اور کبھی ان کے قول: 'ھذا الحدیث لا اصل له' سے مراد یہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے؛ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم، یا صحابی، یا تابعی پر گھڑی ہوئی ہے؛ اگرچہ اس حدیث کی سند بھی ہو؛ کیونکہ اس کی سند میں کوئی وضاع، یا کذاب ہوتا ہے، یا صراحت کے ساتھ کوئی قرینہ اس کے موضوع ہونے پر دلالت کرتا ہے؛ تو اس وقت ان کی مراد 'لا اصل له' سے حدیث کا جھوٹی ہونا ہے، نہ یہ

کہ اس حدیث کی کوئی سند نہیں۔

(مقدمة المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع)

اس اطلاق کی مثال ہشام بن عمار دمشقی ہے؛ جس کے بارے میں ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قال ابو داوٗد: حدث ھشام باربع ماۃ حدیث مسند لیس لھا اصل۔" انتھی و نحوہ فی میزان الاعتدال.

ترجمہ: ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہشام نے ۴۰۰ حدیثیں اسناد کے ساتھ بیان کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(تھذیب التھذیب لابن حجر، ج۱۱ص۴۷، میزان الاعتدال للذھبی، ج۴ص۳۰۲)

(ج) اور کبھی علمائے محدثین بولتے ہیں:

"ھذا الحدیث لا اصل لہ فی الکتاب و لا فی السنۃ الصحیحۃ و الضعیفۃ، یعنون بذلک: ان معناہ ومضمونہ غریب عن نصوص الشریعۃ کل الغرابۃ، لیس فیھا ما یشھد لمعناہ فی الجملۃ۔"

ترجمہ: ان کے اس قول 'ھذاالحدیث لا اصل لہ فی الکتاب و لا فی السنۃ الصحیحۃ و الضعیفۃ' سے مراد یہ ہوتی ہے کہ حدیث کا معنی و مضمون نصوصِ شرعیہ میں غریب ہے، اس میں کچھ ایسا نہیں جس سے حدیث بعینہٖ نہ سہی کم سے کم اس کا معنی ہی درست و ثابت ہو۔

(د) اور کبھی جہابذۂ حدیث فرماتے ہیں:

"لا اصل لہ فی الکتاب و لا فی السنۃ الصحیحۃ، یعنون: ان معناہ و ما یتضمنہ لفظہ، لم یرد فی القرآن الکریم و لا فی الحدیث الصحیح الثابت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فالنفی منھم فی ھذا متوجہ الٰی نفی ثبوت مضمون الحدیث فی نصوص الشرعیۃ الثابتۃ، لا الضعیفۃ۔"

ترجمہ: ان کے اس قول 'لا اصل له فی الکتاب، و لا فی السنة الصحیحة' سے مراد یہ ہوتی ہے کہ حدیث کا معنی قرآن اور صحیح حدیث میں وارد نہیں ہے، لہٰذا یہاں حدیث کے معنی و مضمون کی نفی قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ہے، احادیث ضعیفہ سے اس حدیث کے وجود کی نفی ہے۔

(مقدمة المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع، ص۱۷-۲۳)

(۳) 'موضوع' یا 'لیس بحدیث' کا قول کرنے والے علمائے کرام کے اقوال:

(الف) ابو الفضائل حسن بن محمد صغانی رحمہ اللہ نے حدیث ((حب الوطن من الایمان)) کو موضوعات سے شمار کیا ہے، فرماتے ہیں:

"و منها قولهم (ای من الاحادیث الموضوعة): ((حب الوطن من الایمان))۔" (موضوعات الصغانی، ص۴۷)

(ب) علامہ علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"و اما حدیث ((حب الوطن من الایمان)) فموضوع۔"

(مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح للملا علی القاری، ج۵ص۳۱۶)

(ج) حوت محمد بن درویش بن محمد فرماتے ہیں:

"حدیث ((حب الوطن من الایمان)) حدیث موضوع۔"

(اسنی المطالب فی احادیث مختلفة المراتب للحوت، ص۹۵)

(د) عامری احمد بن عبد الکریم غزی فرماتے ہیں:

"((حب الوطن من الایمان)) لیس بحدیث۔"

(الجد الحثیث فی بیان ما لیس بحدیث للعامری، ج۱ص۸۵)

(ہ) امام ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"و قیل انه من کلام بعض السلف۔"

(الاسرار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة للملا علی القاری، ص۱۸۰)

'موضوع' و'لیس بحدیث' کا مفہوم

موضوع: اس سے مراد یہ ہے کہ حدیث گھڑی ہوئی ہے، حضور نبی کریم ﷺ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں، اور **لیس بحدیث:** اس سے مراد یہ ہے کہ حدیث نہیں بلکہ کسی کا قول ہے۔

(۴) ان علمائے حدیث کے اقوال جنھوں نے حدیث ((حب الوطن من الایمان)) کے بارے میں 'لم اقف علیه و معناه صحیح' فرمایا:

(الف) امام شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لم اقف علیه و معناه صحیح۔" (المقاصد الحسنة للسخاوی، ص۱۸۳)

(ب) علامہ عبدالرحمٰن بن علی شیبانی شافعی اثری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"((حب الوطن من الایمان)) قال شیخنا (ای السخاوی): لم اقف علیه و معناه صحیح۔"

ظاہر ہے انہوں نے اس قول میں اپنے استاذ مکرم کی اتباع کی ہے۔

(تمییز الطیب من الخبیث للشیبانی الشافعی، ص۶۸)

(ج) علامہ محمد طاہر فتنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لم اقف علیه و معناه صحیح۔"

(تذکرة الموضوعات للفتنی، کتاب التوحید، ص۱۱)

شاید انہوں نے بھی اس قول میں امام سخاوی رحمہ اللہ کی اتباع کی ہے۔

'لم اقف علیه و معناه صحیح' کا مفہوم

جب کوئی محدث یہ اصطلاح استعمال کرے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ اس محدث کو نہیں ملی، البتہ اس کے نزدیک شریعت اسلامیہ میں اس کی اصل موجود ہے۔

حدیث ((حب الوطن)) کا معنی صحیح کہنے والوں کا رد

• علمائے حدیث کا حدیث ((حب الوطن من الایمان)) کے معنی کو صحیح کہنے والے بعض علما پر رد:

علمائے حدیث نے حدیث کا معنی صحیح کہنے والوں کے قول کو رد کر دیا، اور آیت کریمہ سے ثابت کیا کہ اس حدیث کا معنی بھی صحیح نہیں ہے۔ رد کرنے والوں کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) امام ملا علی قاری رحمہ اللہ اس قول کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یہ تو عجیب قول ہے اس حدیث کا معنی کیسے صحیح ہو سکتا ہے جب کہ حب وطن اور ایمان کے درمیان کوئی تلازم نہیں، کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ حب وطن پایا جائے مگر ایمان مفقود ہو جیسا کہ کفار وطن سے محبت کرتے ہیں مگر ان کا دل ایمان کی رمق سے خالی و عاری ہوتا ہے۔ اور اس پر کھلی ہوئی دلیل اللہ جل شانہ کا فرمان عالی شان ہے:

﴿وَ لَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ﴾ (سورۃ النساء:۴، آیت:۶۶)

ترجمہ: (اور اگر ہم ان پر فرض کرتے کہ اپنے آپ کو قتل کر دو یا اپنے گھر بار چھوڑ کر نکل جاؤ، تو ان میں تھوڑے ہی ایسا کرتے۔) (کنز الایمان)

یہ آیت واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ منافقین کو وطن سے محبت تھی اگرچہ ان کے پاس ایمان کا خزانہ نہیں تھا۔"

بعض لوگوں نے امام سخاوی رحمہ اللہ کی تائید کی اور فرمایا: ان کے قول سے مراد یہ نہیں ہے کہ وطن سے صرف مومن ہی محبت کرے گا بلکہ مراد یہ ہے کہ وطن سے محبت ایمان کے منافی نہیں۔ مگر امام ملا علی قاری رحمہ اللہ اس تاویل کے ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ظاہر ہے حدیث کا معنی یہی ہے کہ وطن سے محبت ایمان کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے، اوور حب وطن علامت اسی وقت بن سکتا ہے جبکہ وہ مومن کے ساتھ خاص ہو، اگر اس کے اندر بھی یہ خصوصیت پائی جائے اور کفار کے اندر بھی تو حب وطن علامت ایمان نہیں بن سکتا۔ اور اگر امام سخاوی رحمہ اللہ کا قول اس آیت کی طرف نظر کرتے ہوئے ہے جس میں اللہ تعالیٰ مومنوں کے قول کی حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿وَ مَا لَنَا اَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ قَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا﴾

(سورۃ البقرۃ:۲، آیت:۲۴۶)

ترجمہ: (بولے ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں حالانکہ ہم نکالے گئے ہیں اپنے وطن سے۔) (کنز الایمان)

تو اس کے معارض یہ آیت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ لَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِنْهُمْ﴾ (سورۃ النساء:۴، آیت:۶۶)''

پھر آگے فرماتے ہیں:

''اگر اس حدیث کے معنی کو صحیح مان لیا جائے تو اظہر یہ ہے کہ اس سے مراد جنت ہے، یا مکہ شریف یا اللہ کی طرف رجوع، یا وطن متعارف مگر اس شرط کے ساتھ کہ محبت کا سبب صلہ رحمی ہو۔''

(کشف الخفاء و مزیل الالباس عما اشتهر من الاحادیث على السنة الناس للعجلونی، ج ۱ ص ۴۱۴)

(۲) علامہ منوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ما ادعاه من صحة معناه عجيب: اذ لا ملازمة بين حب الوطن و بين الايمان، و يرده قوله تعالىٰ:

﴿وَ لَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ

مَا فَعَلُوْہ اِلَّا قَلِیْلٌ مِنْهُمْ﴾ (سورۃ النساء:۴، آیت:۶۶)''

ترجمہ: حافظ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ دعویٰ کرنا کہ حدیث حب الوطن..... کا معنیٰ صحیح ہے' بڑا عجیب وغریب ہے کیوں کہ وطن کی محبت اور ایمان کے درمیان کوئی تلازم نہیں، ان کے قول کو رد کرنے کے لئے اللہ جل شانہ کا یہ فرمان عالی شان کافی ہے:

﴿وَ لَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوْہ اِلَّا قَلِيْلٌ مِنْهُمْ﴾ (سورۃ النساء:۴، آیت:۶۶)

(الاسرار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة، ص۱۸۰)

(۳) عالم جلیل عبد العزیز بن محمد امام سخاوی رحمہ اللہ کے قول پر تعقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''و قول السخاوی فی المقاصد معناه صحيح' باطل لا يلتفت اليه۔''

ترجمہ: امام سخاوی رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ حدیث ((حب الوطن من الایمان)) کا معنیٰ صحیح ہے' قابل التفات نہیں۔ (التهانی علی موضوعات الصغانی، ص۵۶)

شیخ محمد جمال الدین قاسمی دمشقی نے ایک عالم کا قول نقل کیا جو خطبا کے درمیان احادیث مکذوبہ کے ذکر کرنے کا کیسا رواج ہے بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''و ذلك كحديث ((حب الوطن من الايمان)) الذى لا يفهم منه بعد التاويل و التحليل الا الحث على تفرق الجامعة الاسلامية۔ التى تنشد ضالتها الآن۔ فانه يقضي بتفضيل مسلمى مصر مثلا على من سواهم و ان من فى الشام يفضل اخوته هناك على غيرهم، و هكذا وهو الانحلال بعينه والتفرق المنهى عنه، والله يقول: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ و لم يقيد الاخوة بمكان، و يقول: ﴿وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ و اقل

ما فیہ تفویت فضیلة الایثار۔"

اس کی واضح مثال حدیث ((حب الوطن......)) ہے جس کی تاویل وتوجیہ کرنے کے بعد بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ امت مسلمہ کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں، کیوں کہ یہ ایک ملک کے مسلمان کو دوسرے ملک کے مسلمانون پر فضیلت دینا ہے اور یہی تشتت وافتراق ہے جس کی اسلام میں ممانعت ہے۔ نیز اللہ جل شانہ فرماتا ہے:

"مومنین کہیں بھی ہوں بھائی بھائی ہیں۔"

دوسری جگہ فرماتا ہے:

"اور اپنی جانوں پر دوسرں کو ترجیح دیتے ہیں اگر چہ انہیں شدید محتاجی ہو۔"

اور اگر کچھ نہیں تو کم سے کم اس حدیث کے معنی کو صحیح ماننے کی صورت میں ایثار وقربانی کے جذبہ کو فوت کرنا ضرور ہے۔

(قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث لمحمد جمال الدین القاسمی، ص۱۶۱)

خلاصۂ کلام

(۱) بعض محدثین کرام نے فرمایا: 'لم اقف علیه' اور یہ محدثین ان میں سے ہیں جن کو حدیث اور علوم حدیث میں درک حاصل تھا مثلاً امام المحدثین ابن حجر عسقلانی اور امام جلال الدین سیوطی رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہما۔ اور ایسے محدثین اس طرح کا قول کریں تو ان کے قول پر اعتماد کر کے حدیث کے موجود ہونے کی نفی کر دی جاتی ہے، لہٰذا یہ حدیث قاعدہ کے مطابق موضوع ہوگی۔

(۲) بعض محدثین عظام نے فرمایا: 'لا اصل له عند الحفاظ' اس کا مطلب یہاں پر یہ ہے کہ اس حدیث کی کوئی سند نہیں اور جس حدیث کی کوئی سند نہ ہو محدثین کے نزدیک اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

(۳) بعض اہل فن نے فرمایا: ((حب الوطن من الایمان)) یہ حدیث موضوع ہے، اور

بعض نے فرمایا: یہ حدیث ہی نہیں ہے، اور بعض نے کہا: زمانہ ماضی کے کسی شیخ کا قول ہے۔ ان سب کا معنی یہی ہے کہ یہ حضور ﷺ کا قول نہیں ہے۔

(۴) بعض علمائے حدیث نے فرمایا: ((حب الوطن من الایمان)) اس حدیث کا معنی صحیح ہے؛ مگر علمائے کرام نے ان کے قول کو رد کر دیا جیسا کہ امام ملا علی قاری اور علامہ منوفی رحمہما اللہ وغیرہما کا رد اس حدیث کے معنی صحیح کہنے والوں پر گزرا۔

(۵) علمائے محدثین متفق ہیں کہ یہ حدیث ((حب الوطن من الایمان)) ان الفاظ کی ساتھ موضوع ہے۔

حدیث ((حب الوطن)) کا حکم

ان تمام اقوال کی روشنی میں اس حدیث کا حکم بیان کرنے کے لئے اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ حدیث ((حب الوطن من الایمان)) ان الفاظ کے ساتھ کسی حدیث کا وجود نہیں، لہٰذا یہ حدیث موضوع ہے۔ کیوں کہ جمہور علمائے حدیث کی آرا واقوال سے یہی ظاہر وباہر ہے۔ نیز اس کا معنی بھی درست نہیں کیونکہ وطن کی محبت اور ایمان کے درمیان تلازم نہیں جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا، اور یہی میری ناقص رائے میں راجح اور درست ہے۔ لہٰذا اس حدیث کو حب وطن پر حجت بنا کر پیش نہیں کرنا چاہئے۔

حدیث پاک سے حب وطن کا ثبوت

نیز وطن سے محبت کرنے پر دلالت کرنے والی اس موضوع حدیث ((حب الوطن من الایمان)) کے علاوہ بعض صحیح یا اس باب میں قابل احتجاج حدیثیں موجود ہیں جو وطن کو محبوب رکھنے پر دلالت کرتی ہیں، لہٰذا موضوع حدیث کو استدلال میں پیش کرنے کے بجائے انہیں قابل قبول احادیث کو بیان کیا جائے، ان میں سے بعض کا ذکر کرتا ہوں:

بخاری شریف کی حدیث ہے:

"حدثنا سعید بن ابی مریم قال اخبرنا محمد بن جعفر قال اخبرنی حمید انه سمع انسا رضی الله تعالٰی عنه یقول:

((كان رسول الله اذا قدم من سفر فابصر درجات المدينة اوضع ناقته و ان كانت دابة حركها۔۔۔الحديث))
و فيه دلالة على فضل المدينة وعلى مشروعية حب الوطن و الحنة اليه۔"

ترجمہ: انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
((جب حضور نبی کریم ﷺ کسی سفر سے آتے تو مدینہ شریف کی اونچی سڑکیں اور منزلیں دیکھ کر خوش ہوتے اور اونٹنی تیزی سے اس کی طرف دوڑا دیتے تھے، اور اگر کوئی دوسرا جانور ہوتا تو اس کو حرکت دیتے۔۔۔الحدیث))
علامہ بدرالدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
اس حدیث میں مدینہ شریف کی فضیلت اور وطن سے محبت کے جواز پر واضح دلالت ہے۔

(عمدة القارى للعينى، باب من اسرع ناقته اذا بلغ المدينة، ج۱۵ص۴۳۹)

تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے:
"حدثنا ابى حدثنا ابن ابى عمير قال: قال سفيان فسمعناه عن مقاتل منذ سبعين سنة عن الضحاك قال:
((لما خرج النبى صلى الله عليه وسلم من مكة فبلغ الجحفة اشتاق الى مكة، فانزل الله تبارك وتعالىٰ عليه القرآن: ﴿رادك الىٰ معاد﴾الى مكة))"

ترجمہ: ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ((جب حضور نبی کریم ﷺ مکہ سے نکلے اور مکان جحفہ پہنچے تو آپ کو مکہ شریف کی جانب رغبت ہوئی؛ تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی:
﴿اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْآنَ لَرَادُّکَ اِلٰی مَعَادٍ﴾

(سورۃ القصص:۲۸،آیت:۸۵)

(تفسير ابن ابى حاتم، قوله تعالىٰ: رادك الىٰ معاد، ج۹ص:۳۲۶)

ترجمہ: (بے شک جس نے تم پر قرآن فرض کیا وہ تمھیں پھیر جائے گا جہاں پھرنا چاہتے ہو۔یعنی مکہ کی طرف۔)(کنزالایمان)

تیسری حدیث میں ہے:

"عن ابن شهاب قال قدم اصيل الغفاری قبل ان يضرب الحجاب علٰى ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فدخل على عائشة رضی اللّٰه عنها، فقالت له :يا اصيل كيف عهدت مكة قال:قد اخصب جنابها، و ابيضت بطحائها قالت:اقم حتى ياتيك النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم يلبث ان دخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال له:

((يا اصيل كيف عهدت مكة)) قال: واللّٰه عهدتها قد اخصب جنابها و ابيضت بطحاؤها و اغدق اذخرها و اسلت ثمامها و امش سلمها فقال:((حسبك يا اصيل لا تحزنا)) امش سلمها: يعنی نواميه الرخصة التی فی الطراف اغصانه الاذخر:حشيشة طيبة الرائحة تسقف بها البيوت فوق الخشب۔"

ترجمہ: ابن شہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اصیل غفاری رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر حجاب فرض ہونے سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اصیل غفاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا: مکہ کو کیسا پایا؟ تو آپ نے عرض کیا: مکہ کی گھاسیں خوب اگ آئیں ہیں، اور اس کے وسیع مکان کی ریتیں سفید ہوگئی ہیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پوچھا: ((مکہ کو تم نے کیسا پایا؟)) آپ نے عرض کیا: مکہ کی گھاسیں خوب اگ آئی ہیں، اور اس کے وسیع مکان کی ریتیں سفید ہوگئی ہیں، اور اس کی خوشبودار گھاس خوب زیادہ ہوگئی ہے، اور اس کی ثمال (ایک قسم کی گھاس) بھی ظاہر ہوچکی ہے، اور اس کے سلم درخت کی ڈالیوں میں ٹہنیاں نکل آئی ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دل برداشتہ ہوگئے، اور فرمایا: ((اصیل بس

کرو، ہمیں مکہ شریف کے اوصاف بیان کر کے غمزدہ نہ کرو۔))

(اخبار مکۃ و ما جاء فیھا من الآثار لابی الولید محمد بن عبد اللہ الازرقی، تذکر النبی ﷺ و اصحابہ، ج۲ص۱۵۵)

ان احادیث سے پتہ چلا کہ وطن سے محبت کرنا درست ہے، البتہ یہ محبت و چاہت ایمان کی علامت نہیں جیسا کہ حدیث ((حب الوطن من الایمان)) کے معنی کو صحیح ماننے سے لازم آتا ہے۔ کیونکہ وطن سے محبت اور ایمان کے درمیان تلازم نہیں، ایسا ہوسکتا ہے کہ وطن سے محبت ہو مگر ایمان کا وجود نہ ہو، جیسا کہ کفار و مشرکین کو وطن سے محبت ہوتی ہے مگر یہ محبت ایمان سے خالی و عاری ہوتی ہے، لہٰذا شریعت اسلامیہ میں وطن سے محبت کی سماحت ہے مگر یہ محبت ایمان کی علامت ہو۔ اس طور سے کہ جہاں جہاں وطن سے محبت پائی جائے وہاں وہاں ایمان کا وجود ہو۔ ایسا نہیں ہے۔



مصادر

(۱) اخبار مكة و ما جاء فيها من الآثار لابى الوليد محمد بن عبد الله الازرقى، دار الاندلس، بيروت

(۲) الاسرار المرفوعة فى الاخبار الموضوعة للملا على القارى، تحقيق: محمد الصباغ مطبع: دار الامانة، بيروت

(۳) اسنى المطالب فى احاديث مختلفة المراتب للحوت، مطبع: المكتبة التجارية الكبرىٰ، مصر

(۴) التحقيق و الايضاح لمحمد ابو عمارة

(۵) تدريب الراوى لجلال الدين السيوطى، تحقيق: محمد ايمن بن عبد اللّٰه، مطبع: دار الحديث

(۶) تذكرة الموضوعات للفتنى، مطبع: دار احياء التراث العربى، لبنان

(۷) تمييز الطيب من الخبيث للشيبانى الشافعى، دار الكتب العربى بيروت

(۸) تنزية الشريعة المرفوعة لابن عراق الكتانى

(۹) التهانى فى التعقيب علٰى موضوعات الصغانى لعبد العزيز، مطبع: دار الانصار بالقاهرة

(۱۰) تفسير ابن ابى حاتم

(۱۱) تهذيب التهذيب لابن حجر، مطبع: دار الفكر

(۱۲) الجد الحثيث فى بيان ما ليس بحديث للعامرى

(۱۳) الدرر المنتثرة فى الاحاديث المشتهرة لجلال الدين السيوطى

(۱۴) عمدة القارى للعينى

(۱۵) الغماز على اللماز فى الموضوعات المشهورات للسمهودى، تحقيق: محمد عبد القادر العطار مطبع: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

(۱۶) فتح المغيث للسخاوى، تحقيق: مجدى فتحى السيد، المكتبة التوفيقية

(۱۷) الفوائد الموضوعة فی الاحادیث الموضوعة لمرعی بن یوسف الکرمی، تحقیق: محمد الصباغ

(۱۸) قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث لمحمد جمال الدین القاسمی، دار النفائس، بیروت

(۱۹) کشف الخفاء و مزیل الالباس عما اشتهر من الاحادیث علی السنة الناس للعجلونی، تحقیق:احمد القلاش، مطبع:دار التراث ، مصر

(۲۰) اللؤلؤ المرصوع فیما لا اصل له او باصله موضوع للقاوقجی، تحقیق: فواز احمد زبیرلی ، مطبع :دار البشائر الاسلامیة

(۲۱) مختصر المقاصد الحسنة للزرقانی، تحقیق: محمد الصباغ المکتب الاسلامی، بیروت

(۲۲) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح للملا علی القاری

(۲۳) المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع، مطبع:مکتب المطبوعات الاسلامیة

(۲۴) المقاصد الحسنة للسخاوی،تحقیق:عبد اللہ محمد الصدیق، مطبع:مکتبة الخانجی، مصر

(۲۵) مقدمة المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع لملا علی القاری، مطبع مکتب المطبوعات الاسلامیة

(۲۶) موضوعات الصغانی، تحقیق:نجم عبد الرحمن خلف

(۲۷) میزان الاعتدال للذهبی، مطبع:دار المعرفة، لبنان

(۲۸) النخبة البهیة فی الاحادیث المکذوبة للامیر المالکی

(۲۹) نزهة النظر فی شرح نخبة الفکر لابن حجر العسقلانی، تحقیق:حمدی الدمرداش، مکتبة نزار مصطفی الباز ،الریاض



نماز کی حالت میں سینہ پر ہاتھ باندھنے والی روایات
کا محققانہ فیصلہ

بارھویں صدی میں پیدا ہونے والی فرقہ پرست قوم جس کے وجود کا مقصد ہی امت مسلمہ کی تکفیر و تضلیل کرنا ہے، یہ ایک زمانہ سے بلکہ جب سے معرض وجود میں آئی اسی وقت سے اس بات کا دعویٰ کرتی آرہی ہے کہ وہ اور اس کے قدم سے قدم ملا کر چلنے والے لوگ ہی قرآن و حدیث پر عمل کرنے والے ہیں، ان کے سوا جتنے لوگ ہیں، خواہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کی اتباع کرنے والے ہوں، یا امام دارالہجرہ امام مالک علیہ الرحمہ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہوں، یا امام شافعی علیہ الرحمہ اور ان کے ماننے والے ہوں، یا امام احمد ابن حنبل علیہ الرحمہ اور ان کے پیروکار ہوں، اگرچہ یہ حضرات قرونِ فاضلہ کے جید علما، فقہا، محدثین اور مجتہدین عظام میں سے ہیں، جن کے آرا کی اتباع ساری دنیا کے لوگ کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں، مگر پھر بھی یہ فرقہ پرست قوم عام لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ان حضرات کے نقش قدم پر چلنے والے لوگوں کو شیوخ پرست بلکہ نفس اور خواہش پرست جیسے القاب سے متصف کرتی ہے، اور انہیں احادیث ضعیفہ پر عمل کرنے کا الزام دیتی ہے، حالاں کہ یہ قوم اگر اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنے کی کوشش کرے تو ضرور اسے نظر آجائے گا کہ وہ خود تعصب اور نفس پرستی کے دلدل میں پھنسی ہوئی ہے، عام امت مسلمہ کی مخالفت کرتی ہوئی نظر آرہی ہے، اور اس کے ماننے والے بعض لوگ تعصب کا ایسا عینک پہنے ہوئے ہیں کہ اگر اہل سنت و جماعت کے موقف کی حدیث ہے تو وہ موضوع یا ضعیف ہے، اگرچہ محدثین و ناقدین کے نزدیک صحیح و حسن ہو، اور اگر ان کے موقف کی حدیث ہے تو وہ صحیح و حسن ہی ہے، خواہ وہ نقاد اور ماہرین کے نزدیک ضعیف ہی کیوں نہ ہو، جب سے اس فرقہ کا وجود ہوا ہے، اس نے امت مسلمہ پر ظلم و بربریت کا پہاڑ ہی توڑا ہے، البتہ اس فرقہ کو

امت مسلمہ کے دشمنوں کفار سے بڑی محبت ہے، انہیں اپنے دیار میں بیٹھا کر پالتی پوستی اور جوان کرتی ہے، مگر اسے ذرہ برابر اپنی پشیمانی کا احساس نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے، آمین۔

اس فرقہ پرست کے بعض متبعین میں سے ایک ذاکر نایک ہے۔ جسے نہ تو قرآن صحیح سے پڑھنا آتا ہے، اور نہ ہی حدیث اور اصول حدیث سے اسے کوئی آگہی۔ وہ کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ نماز کی حالت میں سینے پر رکھنے کے متعلق ابن خزیمہ والی روایت کردہ حدیث صحیح ہے!! اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ بعض احباب کے ذریعہ پتہ چلا کہ اس فرقہ پرست کے بعض نیپالی متبعین کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ جب سے مجھے پتہ چلا کہ سینہ پر ہاتھ رکھنے سے متعلق چالیس حدیثیں وارد ہیں، میں سینے پر ہاتھ رکھنے لگا!!! نیز ان کے بعض متبعین سینے پر ہاتھ رکھنے میں اتنا غلو اور تشدد کرتے ہیں کہ ہاتھ کو گلے تک پہونچا دیتے ہیں، دیکھنے میں ایسا لگتا ہے کہ اپنا گلا اپنے ہاتھوں خود ہی گھوٹ رہے ہیں! اس فرقہ پرست کا یہ غلو اور تشدد اس حد تک پروان چڑھ چکا کہ وہ اپنے سوا کسی کو حق پر سمجھتی ہی نہیں!!! خیر آج کا میرا یہ مقالہ نماز کی حالت میں سینہ پر ہاتھ باندھنے والی روایات کی تحقیق و تحلیل پر مشتمل ہے، اس فرقہ پرست کے نزدیک ان روایتوں میں سے قوی ترین روایت ابن خزیمہ کی اپنی صحیح میں روایت کردہ حدیث ہے جس کی تحقیق آپ عنقریب ملاحظہ فرمائیں گے، قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ تعصب کا عینک اتار کر اس مقالہ کو بغور پڑھیں، پھر فیصلہ کریں کہ یہ روایتیں اصول حدیث کی روشنی میں صحیح ہیں یا حسن یا ضعیف، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقہ طفیل میں مسلمانوں کو گمراہ گر علما سے محفوظ، اور انہیں سنیت پر قائم ودائم رکھے، اور اسی پر خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین!

(۱) حدیث وائل بن حجر رضی اللہ عنہ

ابن خزیمہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”نا موسی، نا مؤمل، نا سفیان، عن عاصم بن کلیب، عن ابیه عن وائل بن حجر رضی الله عنه قال:

(صليت مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وضع يده اليمنى على يده اليسرى على صدره)"

ترجمہ: وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی، آپ فرماتے ہیں:

((میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینے پر رکھا۔))

سند پر کلام:

اس حدیث کی سند میں ایک راوی مؤمل بن اسماعیل ہیں، میرے علم کے اعتبار سے یہی وہ ایک روای ہیں جو سفیان ثوری سے لفظ (علٰی صدرہ) کے ذکر کرنے میں منفرد ہیں، باقی دوسرے راویوں نے سفیان ثوری سے روایت کرنے میں اس لفظ یعنی (علٰی صدرہ) کو ذکر نہیں کیا ہے، قارئین ان حضرات کے اسما ملاحظہ فرمائیں:

(۱) عبداللہ بن الولید (مسند احمد، رقم: ۱۸۸۷۱)

(۲) عبدالرزاق صنعانی (مصنف عبدالرزاق، رقم: ۲۵۲۲)

اور عبدالرزاق سے امام احمد بن حنبل نے روایت کی ہے۔ (مسند احمد، رقم: ۱۸۸۵۸)

(۳) ابونعیم فضل بن دکین (مسند احمد، رقم: ۱۸۸۶۷)

(۴) محمد بن یزید مخزومی (صحیح ابن خزیمہ، رقم: ۶۹۱)

(۵) محمد بن یوسف (سنن النسائی، رقم: ۱۲۶۴)

(۶) وکیع بن جراح (مسند احمد، رقم: ۱۸۸۴۵)

(۷) یحیٰی بن آدم (مسند احمد، رقم: ۱۸۸۶۷)

(۸) محمد بن عبداللہ بن یزید مقری (سنن النسائی، رقم: ۱۱۵۹)

یہ آٹھ حضرات ہیں جنہوں نے اس حدیث کو سفیان ثوری سے روایت کی ہے؛ مگر ان میں سے کسی نے بھی اس لفظ یعنی (علٰی صدرہ) کو ذکر نہیں کیا جس کو روایت کرنے میں مؤمل بن اسماعیل منفرد ہیں۔

نیز اس حدیث کی روایت کرنے میں ایک جماعت نے سفیان ثوری کی متابعت بھی

کی ہے مگران میں سے کسی نے بھی (علی صدرہ) کا ذکر نہیں کیا ہے، ان کے اسمایہ ہیں:

(۱) سفیان بن عیینہ (مسند الحمیدی، رقم:۹۰۹، سنن النسائی، رقم:۱۲۶۳)

(۲) محمد بن فضیل (صحیح ابن خزیمہ، رقم:۴۷۸، ۷۱۳)

(۳) عبدالواحد بن زیاد (مسند احمد، رقم:۱۸۸۵۰)

(۴) زہیر بن معاویہ (مسند احمد، رقم:۱۸۸۷۶)

(۵) شعبہ بن حجاج (مسند احمد، رقم:۱۸۸۵۵، قرة العینین برفع الدین فی الصلاة للبخاری، رقم:۲۶، صحیح ابن خزیمہ، رقم:۶۹۷، ۶۹۸)

(۶) عبدالعزیز بن مسلم (مسند احمد، رقم:۱۸۸۶۵)

(۷) زائدہ بن قدامہ

(سنن الدارمی، رقم:۱۳۹۷، مسند احمد، رقم:۱۸۸۷۰، قرة العینین برفع الدین فی الصلاة للبخاری، رقم:۳۰، سنن ابی داؤد، رقم:۷۲۷، صحیح ابن خزیمہ، رقم:۴۸۰، ۷۱۴، المنتقی لابن الجارود، رقم:۲۰۸)

(۸) عبداللہ بن ادریس

(قرة العینین برفع الدین فی الصلاة للبخاری، رقم:۳۱، سنن ابن ماجہ، رقم:۸۱۰، ۹۱۲، سنن الترمذی، رقم:۲۹۲، سنن النسائی، رقم:۱۱۰۲، صحیح ابن خزیمہ، رقم:۴۷۷، ۶۲۱، ۶۹۰، ۷۱۳)

(۹) بشر بن مفضل

(سنن ابی داؤد، رقم:۷۲۶، ۹۵۷، سنن ابن ماجہ، رقم:۸۱۰، ۸۶۷، سنن النسائی، رقم:۱۲۶۵)

(۱۰) سلام بن سلیم (مسند الطیالسی، رقم:۱۰۲۰)

(۱۱) خالد بن عبداللہ (السنن الکبری للبیہقی، رقم:۲۷۸۴)

ان سب نے اس حدیث کو "عن عاصم بن کلیب، عن کلیب، عن وائل" روایت کیا مگر کسی نے بھی اس زیادتی یعنی (علی صدرہ) کا ذکر نہیں کیا ہے.

نیز اس حدیث کو وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے کلیب کے علاوہ

(۱) علقمہ بن وائل

(۲) و مولیٰ لہم نے روایت کیا ہے۔ (مسند احمد، رقم:۱۸۸۶۶، صحیح مسلم، رقم:۴۰۱، مستخرج ابی عوانہ، رقم:۱۵۹۶، صحیح ابن خزیمہ، رقم:۹۰۵، السنن الکبری للبیہقی، رقم:۲۵۱۵)

اور (۳) عبدالجبار بن وائل نے بھی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔
(مسند احمد، رقم:۱۸۸۷۳، سنن الدارمی، رقم:۱۲۷۷)

اور ان لوگوں نے بھی لفظ (علی صدرہ) کا ذکر نہیں کیا۔

اس زیادتی یعنی (علی صدرہ) کا سفیان ثوری، عاصم بن کلیب اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کی روایت میں وارد نہ ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مؤمل بن اسماعیل کو اس زیادتی کی روایت کرنے میں وہم ہوا ہے، لہٰذا یہ زیادتی صحیح اور قابل قبول نہیں۔

مؤمل بن اسماعیل ناقدین کی نظر میں:

مناسبت کے پیش نظر ضروری سمجھتا ہوں کہ راوی مؤمل بن اسماعیل کے بارے میں محدثین و ناقدین کے اقوال ذکر کر دیئے جائیں تاکہ ان کی زیادتی والی روایت کا حکم صحیح طور پر بیان کیا جا سکے، قارئین کرام آپ ان کے بارے میں محدثین و ناقدین کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مؤمل بن اسماعیل صدوق، سنت کے معاملہ میں شدید کثرت سے خطا کرنے والے ہیں، اور کہا جاتا ہے کہ آپ نے اپنی کتابیں دفن کر دیں، اور حافظہ پر اعتماد کر کے حدیث بیان کیے جس کی وجہ سے آپ سے غلطی واقع ہوئی۔'' (الکاشف، رقم:۵۷۴۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ابن معین سے مروی ہے کہ وہ ثقہ ہیں۔

امام بخاری فرماتے ہیں: منکر الحدیث ہیں۔

اور امام بخاری جس کے بارے میں 'منکر الحدیث' فرمادیں ان سے روایت کرنا حلال نہیں، جیسا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے، یعقوب بن سفیان فرماتے ہیں: سلیمان بن حرب ان کی تعریف کرتے تھے اور ہمارے شیوخ ان سے قریب رہنے کی وصیت کرتے تھے، مگر ان کی حدیث ان کے اصحاب کے مشابہ نہیں،

اہل علم پر واجب ہے کہ ان کی حدیث سے احتراز کریں کیونکہ وہ اپنے ثقات شیوخ سے مناکیر روایت کرتے ہیں، اگر وہ یہ مناکیر ضعفا سے روایت کرتے تو اسے ان کے عذر کے منزل میں رکھ دیا جاتا۔

اور ابن سعد فرماتے ہیں: (ثقة، كثير الغلط) یعنی ثقہ ہونے کے ساتھ غلطی بہت کرتے ہیں۔

اور ابن قانع فرماتے ہیں: (صالح يخطي) یعنی صالح ہیں مگر خطا کرتے ہیں۔

اور امام دارقطنی فرماتے ہیں: (ثقة، كثير الخطا) یعنی ثقہ ہونے کے ساتھ خطا بہت کرتے ہیں۔

اور اسحاق بن راہویہ نے فرمایا: ہم سے ثقہ مؤمل بن اسماعیل نے حدیث بیان کی۔

اور محمد بن نصر مروزی نے فرمایا: مؤمل بن اسماعیل اگر کسی حدیث کی روایت کرنے میں منفرد ہوں تو توقف ضروری ہے، کیونکہ ان کا حافظہ خراب ہے، اور غلطی بھی بہت کرتے ہیں۔" (تهذیب التهذیب، رقم:٦٨٢)

اور امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ابوزرعہ فرماتے ہیں: في حديثه خطا كثير" (میزان الاعتدال، رقم:٨٩٤٩)

یعنی ان کی حدیث میں کثرت سے خطا پائی جاتی ہے۔

ابن حجر عسقلانی ان کے بارے میں خلاصہ کلام کے طور پر فرماتے ہیں:

"صدوق سيء الحفظ۔" (تقریب التهذیب، رقم:٧٠٢٩)

یعنی فی نفسہ سچے ہیں مگر ان کا حافظہ خراب ہے۔

راوی مؤمل بن اسماعیل کا حکم:

ان کے بارے میں ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے خلاصۂ کلام کے طور پر فرمایا:

"صدوق سیء الحفظ، اور ایسے وصف سے متصف راوی کی حدیث ضعیف ہوتی ہے، اور جب ضعیف راوی ثقہ یا ثقات کی مخالفت کرے تو وہ روایت منکر کہلاتی ہے، اور اس کے بالمقابل جو حدیث ہوتی ہے اسے معروف کہا جاتا

ہے، لہٰذا یہاں پر مؤمل بن اسماعیل کی روایت جس میں (علی صدرہ) کا ذکر ہے ضعیف ومنکر ہوگی، اور جنہوں نے (علی صدرہ) کا ذکر نہیں کیا ہے وہ معروف ہوگی، اور محدثین کے نزدیک عمل معروف حدیث پر ہوتا ہے منکر پر نہیں، اور اگر ہم متشددین اور غیر مقلدین کا طریقہ اختیار کریں اور صرف امام بخاری کے قول 'منکر الحدیث' کو لے لیں تو ہمیں یہ کہنے میں جھجک محسوس نہیں ہوگی کہ مؤمل بن اسماعیل سے حدیث ہی روایت کرنا جائز نہیں، چہ جائے کہ ان کی حدیث پر عمل کیا جائے! کیوں کہ جن کے بارے میں امام بخاری 'منکر الحدیث' فرمادیں ان سے روایت کرنا جائز ہی نہیں! نیز اس حدیث کی سند میں سفیان ثوری ہیں جن کا مذہب وعمل خود اس روایت کے خلاف ہے، اور جب راوی کا عمل روایت کے خلاف ہو تو راوی کے عمل کو لیا جاتا ہے، اور یہی اکثر حفاظ کرام، محققین وناقدین امام یحییٰ بن معین، یحی بن سعید اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ کا ہے۔" (الاشفاق علی احکام الطلاق للکوثری، ص۴۴)

امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس قاعدہ کے پیش نظر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور اکثر حفاظ نے بہت ساری احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔" (شرح علل الترمذی، ص۴۰۹)

وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حکم:

ان تمام احوال کے باجود غیر مقلد صاحب عون المعبود اور غیر مقلد صاحب تحفۃ الاحوذی کا اس حدیث کو صحیح قرار دینا عجیب وغریب بلکہ حد درجہ تعجب خیز ہے!! بہر حال یہ حدیث ضعیف اور قابل عمل نہیں، واللہ اعلم۔

بہت سارے لوگ ابن خزیمہ کا اس روایت کو اپنی صحیح میں ذکر کرنے کی وجہ عام طلبہ و علما اور عوام کو دھوکا دینے اور مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، اور طرح طرح کا حیلے تلاش کرتے ہیں، ذیل میں حیلے اور ان کے جواب ملاحظہ فرمائیں:

ابن خزیمہ اور حدیث کی تصحیح!!

مخالفین کبھی یہ کہتے ہیں، اس حدیث کی تصحیح ابن خزیمہ علیہ الرحمہ نے خود کی ہے، چناں چہ صاحب العون عظیم آبادی لکھتے ہیں:

''ابن سید الناس رحمہ اللہ نے ترمذی کی شرح میں وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ذکر کیا، اور فرمایا: ابن خزیمہ علیہ الرحمہ نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔''

اور غیر مقلد صاحب تحفۃ الاحوذی مبارک پوری نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ

''علامہ محمد قاسم سندھی رحمہ اللہ نے ابن خزیمہ علیہ الرحمہ کی جانب سے اس حدیث کی تصحیح کیے جانے کا اعتراف کیا ہے۔''

ڈاکٹر محمد عوامہ دام ظلہ فرماتے ہیں:

''حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے، اس کے بعض الفاظ کے صحیح ہونے میں کلام نہیں، البتہ جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو سینہ پر رکھا، اس پر ضرور کلام ہے، اور جس کی تصحیح ابن خزیمہ علیہ الرحمہ نے کی ہے، اور جس کو ابن سید الناس رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے، اسی کو ابن حجر علیہ الرحمہ نے بھی 'فتح الباری' میں ذکر کیا ہے، آپ فرماتے ہیں: سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

((ثم وضع يده اليمنى على ظهر كفه اليسرى، و الوسغ من الساعد))'' (ج۲ص۲۲۴)

اسی کو ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے، اور حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس میں ((على صدره)) کا اضافہ ہے، ابن حجر رحمہ اللہ ''فتح الباری'' میں اس کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

''ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے، اس میں ((انه وضعهما على صدره)) اور بزار نے اپنی مسند میں روایت

کی ہے، اس میں ہے: ((عند صدره))''

مگر ابن حجر رحمہ اللہ نے اس زیادتی کے ساتھ روایت کردہ حدیث کو صحیح نہیں قرار دیا، نہ تو فتح الباری، اور نہ ہی التلخیص الحبیر اور نہ ہی الدرایہ میں، کہیں بھی آپ نے اس حدیث کی تصحیح نہیں فرمائی، اسی طرح امام نووی علیہ الرحمہ نے شرح المہذب، الخلاصہ اور شرح مسلم میں ان کی تصحیح کا ذکر نہیں کیا، اگر ابن خزیمہ علیہ الرحمہ نے اس زیادتی والی روایت کردہ حدیث کی تصحیح فرمائی ہوتی تو یہ دونوں حضرات ضرور نقل کرتے، کیوں کہ انہیں اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لئے اس کی زیادہ ضرورت تھی، لہٰذا ان کا ذکر نہ کرنا اس بات پر دال ہے کہ ابن خزیمہ علیہ الرحمہ نے اس ((وضعهما على صدره)) والی روایت کی تصحیح نہیں فرمائی ہے۔ و اللہ اعلم۔

حدیث ابن خزیمہ کی شرط پر ہے!!

بعض لوگ مغالطہ میں ڈالنے کے لئے کہتے ہیں: اس حدیث کو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے، لہٰذا یہ حدیث ان کی شرط پر صحیح یا حسن ہوگی۔

ڈاکٹر محمد عوامہ دام ظلہ فرماتے ہیں:

> ''یہ قول درست نہیں، کیوں کہ ابن خزیمہ علیہ الرحمہ کا اپنی صحیح میں احادیث ذکر کرنے کا منہج وہی ہے جو امام ترمذی کا اپنی سنن اور امام حاکم علیہ الرحمہ کا اپنی کتاب مستدرک میں ہے، ہر ایک اپنی کوشش اور جہد کے مطابق ہر حدیث پر منفرد حکم لگاتا ہے، پس جس طرح امام ترمذی اور حاکم علیہ الرحمہ کا سکوت صحت یا ضعف پر دلالت نہیں کرتا، اسی طرح ابن خزیمہ علیہ الرحمہ کا اپنی صحیح میں حدیث ذکر کرنا اور سکوت اختیار کرنا بھی حدیث کی صحت یا ضعف پر دلالت نہیں کرتا، لہٰذا جس نے حدیث کو صرف اس وجہ سے صحیح قرار دیا کہ ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے، وہ متساہل ہے، خطا کار ہے، خاص کر اس صورت میں جبکہ آپ نے اس حدیث پر کوئی حکم ہی نہ لگایا ہو۔''

یہاں پر صحیح ابن خزیمہ کی احادیث کے بارے علمائے کرام کی آرا کا ذکر کرنا مناسب

معلوم ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

صحیح ابن خزیمہ محدثین کی نظر میں

ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ نیشاپوری (ت ۳۱۱ھ) جلیل القدر عالم اور محدث تھے، جس کے نتیجہ میں یہ کتاب عالم وجود میں آئی، محدثین اور فقہائے کرام کے نزدیک بہت اہمیت کی حامل ہے، مگر چوں کہ ابن خزیمہ علیہ الرحمہ کی حدیث کی صحت کے لئے شرطیں اعلیٰ نہ تھیں، اور آپ نے صحیح اور حسن کو ایک درجہ میں رکھا، جس کی وجہ سے محدثین کرام نے ان کی کتاب کو صحیحین، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی کا درجہ نہ دیا، بلکہ اس کو سنن ترمذی اور حاکم کی مستدرک کے ساتھ ضم کر دیا، لیکن اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں کی ان کی تصحیح کا کوئی اعتبار نہیں، بلکہ ضرور اعتبار ہے مگر یہ تصحیح صحیح اور حسن کے درمیان دائر ہوتی ہے، اور یہی غالب ہے۔

امام سخاوی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں:

"و كم فی كتاب ابن خزيمة ايضا من حديث محكوم منه بصحة، و هو لا يرتقی عن رتبة الحسن۔ اھ"

(فتح المغیث للسخاوی، ج۱ص۳۱)

ترجمہ: صحیح ابن خزیمہ میں بھی بہت ساری ایسی حدیثیں ہیں جس پر آپ نے صحت کا حکم لگایا ہے، مگر وہ صرف حسن ہیں۔

ڈاکٹر محمد عوامہ دام ظلہ فرماتے ہیں:

"اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ امام ترمذی اور حاکم کی طرح حدیث کے بارے میں سکوت اختیار کرتے ہیں، اور یہ سکوت کبھی ایسی حدیث پر بھی ہوتا ہے جو ضعیف ہوتی ہے، اس لئے آپ کے سکوت اختیار کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ حدیث صحیح یا حسن ہی ہے، جیسا کہ دور حاضر کے مطلب پرست لوگ گمان کرتے ہیں، کیونکہ یہ حقیقت کے خلاف ہے، امام زیلعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ابن خزیمہ علیہ الرحمہ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث کی تخریج کی ہے، اس میں ہے: ((حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سورہ فاتحہ کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا اور اسے ایک آیت شمار کی))"

(نصب الرایۃ لتخریج احادیث الھدایۃ، ج۱ص ۳۲۵)

اس حدیث کو حاکم علیہ الرحمہ نے مستدرک میں ابن خزیمہ علیہ الرحمہ کے طریق سے روایت کی ہے، اس میں ایک راوی 'عمر بن ہارون' ہیں۔

ان کے بارے میں ذہبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: محدثین وناقدین کا ان کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے۔

اور امام نسائی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: وہ متروک ہیں۔

اس بیان سے واضح ہوگیا کہ صحیح ابن خزیمہ خالص صحیح احادیث پر مشتمل نہیں، بلکہ اس میں صحیح، حسن اور بعض حدیثیں ضعیف بھی ہیں، البتہ غالب وصف اس کی احادیث کا صحاح اور حسان ہونا ہے۔

زیر بحث حدیث کی سند سے اقویٰ دوسری سند کا وجود!!

بعض حضرات یہ دعویٰ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں: زیر بحث حدیث مؤمل بن اسماعیل کے علاوہ ایک دوسرے طریق سے مروی ہے جو اس سے اقویٰ ہے!

ڈاکٹر محمد عوامہ دام ظلہ فرماتے ہیں:

"یہ صرف دعویٰ ہے جس کی دلیل اور برہان کا دور دور تک پتہ نہیں، اگر ایسا ہوتا تو اس مذہب کے مؤیدین اسے ضرور ذکر کرتے، مگر وہ اس سے اقویٰ طریق کے ذکر کرنے سے عاجز ہیں؛ کیونکہ اس اقوی روایت کا وجود نہیں، چناں چہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صرف مؤمل بن اسماعیل کے طریق سے ہی روایت کی ہے، اگر اس کے علاوہ کوئی قوی طریق ہوتا تو یقیناً امام بیہقی رحمہ اللہ اسے ضرور ذکر کرتے، کیوں کہ آپ کی وہ شخصیت ہے جس نے امام شافعی علیہ الرحمہ کے مذہب کی دلائل بطونِ کتب سے جمع کرنے کی ان تھک کوشش

کی ہے، اگر اقویٰ طریق ہوتا تو اسے چھوڑ کر ضعیف حدیث ہرگز اپنے مذہب کے استدلال میں ذکر نہیں کرتے۔

ابن قیم جوزیہ فرماتے ہیں: مؤمل بن اسماعیل کے علاوہ کسی نے بھی ((علیٰ صدرہ)) کا ذکر نہیں کیا ہے۔

اگر اس سے اقویٰ طریق موجود ہوتا تو ابن قیم اس طرح انکار نہیں کرتے، بلکہ اس اقویٰ دلیل کو ذکر کرنے کا التزام کرتے، بہر حال علما اور محدثین کرام کے اقوال اور طرز استدلال سے پتہ چلتا ہے کہ اس حدیث کا اس سے اقویٰ طریق موجود نہیں، اور اگر مدعیان کے پاس اس سے کوئی اقویٰ روایت ہو تو ضروری ہے کہ اسے سامنے لائیں تاکہ ناقدین قواعد حدیث کی روشنی میں پرکھ کر اس کا حکم بیان کرسکیں، اور یہ پتہ کرسکیں آیا وہ قابل عمل ہے یا نہیں، اور رہا صرف دعویٰ تو یہ بغیر دلیل کے قبول نہیں کیا جاسکتا۔"

بعض مخالفین کا مغالطہ اور اس کا جواب:

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وائل بن حجر کی حدیث کو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے، یہی حدیث صحیح مسلم میں بغیر لفظ علیٰ صدرہ کے موجود ہے۔"

(الدرایۃ لابن حجر، رقم:۱۴۶)

اور اسی قول سے صاحب تحفۃ الاحوذی مبارک پوری نے استدلال کیا کہ

"جو سند و متن ابن خزیمہ کی روایت میں ہے وہی سند و متن بغیر (علیٰ صدرہ) کے صحیح مسلم میں بھی موجود ہے، اور صحیح مسلم کی صحیح الاسناد ہے، اس لئے صحیح ابن خزیمہ کی اسناد بھی صحیح ہونی چاہئے۔"

ڈاکٹر محمد عوامہ دام ظلہ فرماتے ہیں:

"یہ ایک طرح سے مغالطہ ہے، کیونکہ اگر متن کو سند کے ساتھ ذکر کیا جائے پھر یہ کہا جائے کہ یہی حدیث صحیح مسلم میں ہے، تو اس طرح یعنی اتحاد سند کا قول کیا

جاسکتا تھا، اگرچہ اس صورت میں بھی اشتباہ باقی رہ جاتا ہے، کیونکہ محدثین کرام کا طریقہ کار رہا ہے کہ جب باقی اسناد کے ساتھ مخرج متحد ہوتا ہے تو اس صورت میں وہ اس طرح کا جملہ استعمال کرتے ہیں، لیکن اگر متن کا ذکر کریں، اور سند کا بالکل ذکر ہی نہ ہو تو ایسی صورت میں اتحاد سند کا قول نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں پر فتح الباری سے ابن حجر رحمہ اللہ کا قول نقل کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے، آپ فرماتے ہیں:

و حدیث وائل عند ابی داؤد، و النسائی ثم وضع یده الیمنی علٰی ظهر کفه الیسری، و الرسغ مع الساعد، و صححه ابن خزیمة و غیره، و اصله فی مسلم بدون الزیادة۔" (ج۲ص۲۲۴)

ابن حجر رحمہ اللہ اپنے اس قول سے صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ نے روایت کی ہے، اور ابن خزیمہ وغیرہ نے اس کی تصحیح بھی کی ہے، اور اس کی اصل یعنی مفہوم حدیث بغیر زیادتی ((علٰی صدرہ)) کے صحیح مسلم میں موجود ہے، ان کی مراد قطعاً یہ نہیں کہ جو سند و متن ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ کی ہے وہی صحیح مسلم کی بھی ہے، اور یہی مفہوم و مفاد اس قول کا بھی ہے جس سے صاحب تحفۃ الاحوذی مبارک پوری نے استدلال کیا ہے، اس لئے یہ کہنا کہ: صحیح مسلم کی سند صحیح ہے اس لئے صحیح ابن خزیمہ کی سند بھی صحیح ہونی چاہئے' درست نہیں۔

اور بر سبیل تنزل اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی زیادتی متن والی جو سند ہے وہی سند صحیح مسلم کے اصل حدیث کی ہے، پھر تو یہ سب سے بڑی دلیل ہوگی کہ متن کی زیادتی غلط ہے، اگرچہ راوی ثقہ ہو، اسے اس زیادتی کے ذکر کرنے میں وہم ہوا ہے، کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ صحیح مسلم اور ابن خزیمہ کی سند کے شیخ ایک ہی ہوں اس کے باوجود صحیح ابن خزیمہ میں زائد متن کا ذکر ہو، اور صحیح مسلم میں نہ ہو، بہرکیف امام مسلم رحمہ اللہ کا اسناد کے اتحاد کے باوجود-جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں- اس زائد متن کا ذکر نہ کرنا، اسے چھوڑ دینا، اور حدیث کو بغیر اس زائد متن کے روایت کرنا اس بات پر واضح طور پر دلالت کرتا

ہے کہ آپ کے نزدیک زیادتی وہم ہے، راوی نے اس کے ذکر کرنے میں خطا کی ہے۔

ابن قیم جوزیہ ''الہدیٰ'' میں امام مسلم پر متکلم فیہ راویوں سے روایت کرنے کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''امام مسلم رحمہ اللہ کا متکلم فیہ سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ وہ اس قسم کے راویوں سے وہی حدیث لیتے ہیں جس کے بارے میں انہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث راوی کے پاس محفوظ ہے، جیسا کہ کبھی ثقہ کی بعض حدیث کو نہیں لیتے، کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس ثقہ راوی کو اس حدیث کے روایت کرنے میں غلطی واقع ہوئی ہے، بلکہ امام مسلم علیہ الرحمہ کبھی کبھی اس کی طرف اشارہ بھی کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں: حماد کی حدیث میں بعض حرف زائد ہے، ہم نے اس کا ذکر قصداً چھوڑ دیا۔''

اعتراض وجواب:

اگر یہ کہا جائے کہ شوکانی ''النیل'' میں لکھتے ہیں:

''شافعی حضرات اپنے موقف پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس کی تخریج ابن خزیمہ نے اپنی تصحیح کے ساتھ کی ہے، وہ وائل رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے، آپ فرماتے ہیں:

صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فوضع يده اليمنى على اليسرى على صدره۔''

(نيل الاوطار للشوكانی، باب ماجاء في وضع اليمين على الشمال، ج۲ص۲۲۰)

ڈاکٹر محمد عوامہ دام ظلہ فرماتے ہیں:

''اگر شوکانی ابن خزیمہ کی تصحیح ذکر کرنے سے سکوت اختیار کرتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا، جیسا کہ حافظ ابن حجر اور امام نووی رحمہما اللہ اور دیگر حضرات جنہوں نے اس حدیث کو ذکر کیا مگر سکوت اختیار کیا اور ابن خزیمہ کی تصحیح کو ذکر نہیں کیا، کیونکہ اگر انہوں نے تصحیح فرمائی ہوتی تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جن کے

پاس صحیح ابن خزیمہ کا اصل نسخہ تھا، جس کی وجہ سے انہوں اپنی کتابوں میں ان کی تصحیحات خوب ذکر کی ہیں، ضرور اس حدیث پر ان کی تصحیح نقل کرتے، اور رہی شوکانی صاحب کی بات تو ان کے پاس صحیح ابن خزیمہ تھی ہی نہیں، اس کے باوجود تصحیح ذکر کرنا عجیب ہے، شاید انہیں ابن سید الناس کے قول سے اشتباہ ہوگیا، یا یہ سمجھ بیٹھے کہ جو بھی حدیث ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ذکر کی ہے اس کی انہوں نے تصحیح فرمائی ہے، بہر حال ان کا یہ قول 'رکانہ' کی حدیث کے بارے میں ذکر کردہ قول کی طرح ہے، آپ کہتے ہیں: (ابوداؤد نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے) حالانکہ ابوداؤد کے تمام نسخوں میں مجھے یہ تصحیح نہیں ملی۔ و اللہ اعلم۔'' (حاشیة نصب الرایة ملخصًا، ج۱ص۳۱۵)۔

(۲) حدیث ہلب رضی اللہ عنہ

حدثنا یحیی بن سعید عن سفیان حدثنی سماك عن قبیصة بن هلب عن ابیه قال:

((رایت النبی صلی اللہ علیه وسلم ینصرف عن یمینه و عن یساره و رایته قال: یضع هذه علٰی صدره))

ترجمہ: حضرت ہلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ وہ نماز سے فارغ ہو کر کبھی داہنی طرف تو کبھی بائیں طرف مڑ جاتے تھے، راوی فرماتے ہیں: میں نے انہیں کہتے ہوئے دیکھا: حضور ﷺ اپنے ہاتھوں کو سینے پر رکھتے تھے۔))

(مسند احمد، رقم: ۲۱۹۶۷)

سند پر کلام:

اس حدیث کی سند میں ایک راوی قبیصہ متکلم فیہ ہیں، ان کے بارے میں امام مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مجہول ہیں، سماک کے سوا کسی نے ان سے روایت نہیں کی، امام نسائی فرماتے ہیں: مجہول ہیں، اور سماک کے تفرد کو امام مسلم نے بھی الوحدان میں ذکر کیا ہے، اور امام عجلی نے فرمایا: ثقہ ہیں، اور ابن حبان نے انہیں اپنی کتاب 'الثقات' میں ذکر کیا ہے۔''

(تهذيب الكمال للمزی، رقم:۸۴۶،تهذيب التهذيب للعسقلانی، رقم:۶۳۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی ان کے بارے خلاصہ کلام کے طور پر فرماتے ہیں:

''مقبول ہیں۔'' (التقريب، رقم:۵۵۱۶)

اور یہ قبولیت مطلقاً نہیں بلکہ اس صورت میں ہے جبکہ راوی کے حدیث کی کوئی متابع موجود ہو، ورنہ مقبول نہیں بلکہ لین الحدیث قرار دیے جائیں گے۔ (التقريب، ص۱۴)

اور موجودہ راویت میں قبیصہ روای کی (علی صدرہ) ذکر کرنے میں کوئی متابع موجود نہیں، لہٰذا ان کے لین الحدیث ہونے کے ساتھ ان کی روایت کردہ یہ حدیث ضعیف ہوگی. واللہ اعلم.

صاحب عون المعبود لکھتے ہیں:

''اور راوی مجہول العین کی حدیث مقبول ہے جبکہ راوی کی توثیق روایت کرنے والے علاوہ کسی اور نے کی ہو، ابن حجر رحمہ اللہ 'شرح النخبۃ' میں فرماتے ہیں: اگر راوی کا نام ذکر کیا گیا اور اس سے صرف ایک ہی راوی نے روایت کی ہے تو وہ مجہول العین ہے، ہاں اگر اس سے روایت کرنے والے اس منفرد کے علاوہ کسی نے اس کی توثیق کی ہے تو اصح یہ ہے کہ وہ مجہول العین نہیں۔ اور یہاں پر قبیصہ کی توثیق امام عجلی اور ابن حبان نے کی ہے، لہٰذا یہ حدیث مقبول ہوگی۔''

صاحب العون کا یہ استدلال محل نظر ہے، کیونکہ ابن حجر رحمہ اللہ نے توثیق کے بعد صرف مجہول العین ہونے کی نفی فرمائی ہے، رہی بات اس کے مقبول ہونے کہ تو اس کے بارے میں کوئی صراحت نہیں فرمائی، البتہ آپ ''تقریب التہذیب'' میں فرماتے ہیں:

"راوی مقبول ہے جب کہ اس کے حدیث کی متابع موجود ہو ورنہ وہ لین الحدیث ہے۔"

آپ کے اس قول سے پتہ چلتا ہے کہ امام عجلی متساہل کا انہیں ثقہ قرار دینا، اور ابن حبان متساہل کا انہیں اپنی کتاب الثقات میں ذکر کرنا اس روای کی حدیث قبول کرنے کے لئے کافی نہیں، بلکہ اس راوی کی روایت قبول کرنے کے لئے اس کی روایت کا متابع بھی ہونا ضروری ہے!

نیز اس حدیث کا مدار سماک پر ہے، ان سے روایت کرنے میں راویوں کا اختلاف ہے، سماک سے چار لوگوں نے روایت کی، اور ان میں سے کسی نے بھی (علی صدرہ) کا ذکر نہیں کیا، ان کے نام یہ ہیں:

(۱) شعبہ بن حجاج

(مسند الطیالسی، رقم:۱۰۸۶، مصنف ابن ابی شیبہ، رقم:۳۱۰۹، مسند احمد، رقم:۲۱۹۷۳، سنن ابی داؤد، رقم:۱۰۴۱)

(۲) زائدہ بن قدامہ (مسند احمد، رقم:۲۱۹۸۲)

(۳) شریک بن عبداللہ النخعی (مسند احمد، رقم:۲۱۹۱۷)

(۴) ابوالاحوص سلام بن سلیم

(سنن ابن ماجہ، رقم:۸۰۹، ۹۲۹، سنن الترمذی، رقم:۲۵۲، ۳۰۱)

ان میں سے بعض نے حدیث کو مختصراً روایت کیا ہے.

اور سفیان ثوری نے اس حدیث کو سماک سے روایت کی ہے، سفیان ثوری سے بھی اس حدیث کی روایت کرنے میں اختلاف ہے، یحیٰی بن سعید قطان نے صرف ان سے اس زیادتی کا ذکر کیا ہے، وایت کرنے والوں کے نام یہ ہیں:

(۱) یحیٰی بن سعید قطان (مسند احمد، رقم:۲۱۹۶۷)

(۲) عبدالرزاق (المصنف، رقم:۳۲۰۷)

(۳) عبدالرحمٰن بن مہدی (سنن الدارقطنی، رقم:۱۱۰۰)

(۴) وکیع ابن جراح (مسند احمد، رقم:۲۱۹۶۸، مصنف ابن ابی شیبہ، رقم:۳۹۳۴)

ان تین حضرات نے زیادتی کا ذکر نہیں کیا!

اگر بر سبیل تنزل مان لیا جائے کہ راوی قبیصہ مقبول ہیں-اگر چہ صحیح یہی ہے کہ ان کی روایت کے متابع نہ ہونے کی وجہ سے وہ لین الحدیث اور ان کی حدیث ضعیف ہے-تو کیا ثقہ کی زیادتی مقبول ہوگی؟ آنے والی سطور میں ملاحظہ فرمائیں:

کیا ثقہ کی زیادتی مطلقاً مقبول ہے؟

اس روایت میں سفیان ثوری کے شاگردوں میں سے یحییٰ بن سعید ثقہ (علی صدرہ) کی زیادتی کے ساتھ روایت کرنے میں منفرد ہیں، اور ثقہ کی زیادتی مقول ہوگی یا نہیں، اس باب میں مختلف قیود وشروط کے ساتھ مختلف مذاہب ہیں، میں یہاں دو مشہور مذہب ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

پہلا مذہب:

معظم فقہا ومحدثین کی رائے یہ ہے کہ ثقہ کی زیادی مطلقاً مقبول ہے۔

مگر ابن حجر رحمہ اللہ نے اس مطلق قول کو مقید کیا، اور فرمایا:

''ثقہ کی زیادتی اس صورت میں مقبول ہے جبکہ اس کی اس زیادتی کی وجہ سے مدمقابل کی روایت کا انکار لازم نہ آئے۔''

(فتح المغیث للسخاوی، ج ۱ ص ۱۷۵، ۱۷۷)

اس مذہب کے اعتبار سے اس روایت میں مذکور (علی صدرہ) کی زیادتی مقبول ہونی چاہیے، کیونکہ زیادتی کی روایت کرنے والے یحییٰ بن سعید ثقہ ہیں، نیز ان کی اس روایت سے مدمقابل راویوں کی روایت کا رد بھی لازم نہیں آتا، اس لئے یہاں پر یہ زیادتی مقبول ہونی چاہیے. و اللہ اعلم.

دوسرا مذہب:

اور بہت سے دیگر فقہا ومحدثین مثلاً ابن خزیمہ اور ابن عبد البر وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ زیادتی کا ذکر کرنے والے کے لئے لازم ہے کہ وہ ثقاہت میں، نہ ذکر کرنے والے راوی

کے مساوی، یا اس سے اوثق، یا ذکر کرنے والے متعدد ثقات ہوں، اور نہ ذکر کرنے والا ایک ہی ثقہ ہو، تو ایسی صورت میں زیادتی مقبول ہوگی، اور اگر اس کا برعکس یعنی زیادتی کا ذکر کرنے والا، نہ ذکر کرنے والے سے ثقاہت میں مساوی نہیں بلکہ کم ہو، یا ذکر کرنے والے ثقات کی تعداد کم ہو، تو ایسی صورت میں یہ زادتی مقبول نہیں ہوگی۔

(فتح المغیث للسخاوی، ج۱ص۱۷۶)

اس مذہب کے اعتبار سے لازم آئے گا کہ یہاں پر زیادتی والی روایت مقبول نہ ہو، کیونکہ یحیٰی بن سعید اگرچہ سفیان ثوری سے روایت کرنے والوں میں اثبت ہیں، مگر وہ زیادتی کی روایت کرنے میں تنہا ہیں، اور روایت نہ کرنے والے وکیع بن جراح اور عبد الرحمٰن بن مہدی سفیان ثوری کے شاگردوں میں اثبت ہونے کے ساتھ ساتھ زیادہ بھی ہیں۔ امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یحیٰی بن معین رحمہ اللہ سے اصحاب ثوری کے بارے میں پوچھا گیا کہ ان میں کون اثبت ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ پانچ ہیں: یحیٰی بن سعید، وکیع بن جراح، عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمٰن بن مہدی، اور ابو نعیم فضل بن دکین۔"

(شرح علل الترمذی لابن رجب، ص۲۹۸)

اس مذہب کے اعتبار سے یہ زیادتی والی روایت قابل احتجاج نہیں ہوگی. واللہ اعلم.

ہلب رضی اللہ عنہ کی روایت کا حکم:

مذکورہ بالا بیان سے واضح ہوگیا کہ اس حدیث کی سند میں ایک روای قبیصہ متکلم فیہ ہونے کے ساتھ لین الحدیث ہیں، اور اس حدیث کی روایت کرنے میں ان کی کسی نے متابعت نہیں کی ہے، اس لئے ان کی یہ روایت مقبول نہیں بلکہ ضعیف ہوگی، اور اگر بر سبیل تنزل مان بھی لیا جائے کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے قابل قبول ہے، تو بھی یہ حدیث قابل احتجاج نہیں، کیونکہ سفیان ثوری جو اس حدیث کے راوی ہیں ان کا مذہب خود اس حدیث کے خلاف ہے، امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس قاعدہ کے پیش نظر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور اکثر حفاظ نے بہت

ساری احادیث کوضعیف قرار دیا ہے۔'' (شرح علل الترمذی،ص ۴۰۹)

نیز یہ کہ سفیان ثوری کے تلامذہ میں سے یحیٰ بن سعید کے علاوہ دیگر تلامذہ اور سماک کے تلامذہ کی روایت میں یہ لفظ یعنی (علی صدرہ) ثابت ومحفوظ نہیں، نیز اس حدیث کو اپنی کتاب ''مسند'' میں ذکر کرنے والے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا عمل خود اس حدیث کے برخلاف ہے، آپ کا اس حدیث کے خلاف عمل کرنا اگر چہ حدیث کے ضعف پر دلالت نہیں کرتا ہے مگر اس بات پر ضرور دال ہے کہ یہ حدیث قابل عمل واحتجاج نہیں، کیونکہ اگر قابل احتجاج ہوتی تو امام احمد بن حنبل- جو اگر کسی باب میں صحیح حدیث کے بجائے ضعیف ہو تو وہ اس ضعیف پر بھی عمل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں- ضرور اس حدیث پر عمل کرتے، نیز اس باب میں ابھی ابھی محدثین ومحققین کے موقف کا بیان گزرا کہ اگر راوی کا عمل روایت کے خلاف ہو تو راوی کے عمل کو لیا جائے گا، بہر حال یہ روایت بھی ضعیف اور زیر بحث مسئلہ میں قابل احتجاج نہیں. واللہ اعلم.

فائدہ:

صاحب عون المعبود اور صاحب تحفۃ الاحوذی کا (علی صدرہ) والی اس روایت کو دوسرے جرح کے اقوال سے صرف نظر کرتے ہوئے صحیح قرار دینا محل نظر ہے، خاص طور سے اس صورت میں جبکہ جرح کے مقابلہ میں راوی قبیصہ کو ثقہ قرار دینے والے امام عجلی اور ابن حبان متساہلین میں سے ہوں!! واللہ اعلم.

(۳) روایت طاؤس رضی اللہ عنہ

حدثنا ابو توبة، حدثنا الهيثم يعني ابن حميد، عن ثور، عن سليمان بن موسى، عن طاؤس قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم: ((يضع يده اليمنى على يده اليسرى، ثم يشد بينهما على صدره و هو في الصلاة)) (سنن ابی داود، رقم: ۷۵۹)

ترجمہ: حضرت طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی حالت میں اپنے داہنے ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر مضبوطی سے باندھ لیتے تھے۔))

سند پر کلام:

اولاً: ہیثم بن حمید، متکلم فیہ ہیں، ابوداؤد نے ان کی توثیق کی ہے، اور علی بن مسہر نے فرمایا:

ضعیف، قدری ہیں۔ (میزان الاعتدال للذہبی، رقم: ۹۲۹۸)

ثانیاً: سلیمان بن موسی، امام بخاری نے فرمایا:

ان کے پاس مناکیر ہیں۔

اور ابو حاتم نے فرمایا:

محلہ الصدق، اور ان کی حدیث میں بعض اضطراب ہے۔

اور امام نسائی نے فرمایا:

قوی نہیں ہیں۔

اور ابن عدی نے فرمایا:

وہ میرے نزدیک ثبت صدوق ہیں۔ (میزان الاعتدال، رقم: ۳۵۱۸)

ثالثاً: یہ حدیث مرسل ہے، کیونکہ طاؤس تابعی ہیں، آپ نے جن سے یہ حدیث سنی ہے ان کا ذکر نہیں کیا۔

طاؤس رحمہ اللہ کی روایت کا حکم:

یہ روایت ضعیف ہے.

زیر بحث مسئلہ میں ابن قیم کی رائے:

اس مسئلہ میں ابن قیم جوزیہ کی رائے ملاحظہ فرمائیں، آپ لکھتے ہیں:

"امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے نماز کی حالت میں ناف کے اوپر اور ناف کے نیچے رکھنے کی روایت ملتی ہے۔ ابو طالب فرماتے ہیں: میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا: نماز کی حالت میں نمازی ہاتھ کہاں رکھے گا؟ آپ

نے فرمایا: ناف پر یا ناف سے نیچے رکھے گا۔ بہر حال آپ کے نزدیک اس مسئلہ میں وسعت ہے، چاہے ناف سے اوپر یا ناف پر یا ناف سے نیچے رکھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نماز کی حالت میں ہاتھ کو ہاتھ پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔ اس طرح کی وضاحت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، مگر یہ روایت صحیح نہیں، ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ضرور صحیح ہے۔

اور مزنی کی روایت میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہاتھ ناف کے تھوڑا نیچے رکھا جائے، اسے سینہ کے اوپر پر رکھنا مکروہ ہے، کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے تکفیر یعنی سینے پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا ہے، اور مؤمل بن اسماعیل نے اگرچہ علی صدرہ کا ذکر کیا ہے، مگر عبداللہ بن ولید نے اس حدیث کو سفیان ثوری سے روایت کیا اور علی صدرہ کا ذکر نہیں کیا، اسی طرح سے شعبہ اور عبد الواحد نے سفیان ثوری کی مخالفت کی اور علی صدرہ کا ذکر نہیں کیا۔"

(بدائع الفوائد لابن القیم، ج۳ ص۹۱)

خلاصۂ بحث

(الف) وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ پہلی حدیث ضعیف ہے۔

(ب) اور ہلب رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ دوسری حدیث بھی ضعیف ہے۔

(ت) اور طاؤس رحمہ اللہ کی روایت مرسل ہے، اور مرسل غیر مقلدین کے نزدیک قابل احتجاج نہیں۔

(ث) غیر مقلدین کے طریقہ کار کے پیش نظر سینے پر ہاتھ رکھنے والی ساری احادیث ضعیف ہونے کی وجہ سے قابل احتجاج نہیں۔

لہٰذا ان کے لئے ان روایات ضعیفہ پر عمل روا نہیں، مگر وہ عمل کرتے ہیں!!

وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث کے لئے شاہد پھر بھی قابل احتجاج نہیں!

(ج) اگر غیر مقلدین پر رحم کھایا جائے۔ جو امام ترمذی رحمہ اللہ کو متساہل کہتے نہیں تھکتے ۔ تو امام ترمذی رحمہ اللہ کے طریقہ کار کی پیروی کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ ان غیر مقلدین کی قوی تر دلیل وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے لئے ہلب رضی اللہ عنہ اور طاؤس کی روایت شاہد بن سکتی ہے، اس لئے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن لغیرہ تک پہنچ جائے گی، مگر میرے نزدیک پھر بھی اس باب کی حدیث پر عمل کرنا روا نہیں، اس کے چند وجوہات ہیں:

پہلی وجہ:

پہلی اور دوسری حدیث کی سند میں سفیان ثوری ہیں، ان کا عمل خود اس روایت کے خلاف ہے، اور ایسی صورت میں عمل روایت پر مقدم ہوگا، امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس قائدہ کے پیش نظر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور اکثر حفاظ نے بہت ساری احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔"

دوسری وجہ:

دوسری حدیث کی تخریج امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں کی ہے مگر ان کا عمل خود اس حدیث کے برخلاف ہے جیسا کہ ماقبل میں ابن قیم جوزیہ کے بیان سے واضح ہے۔

تیسری وجہ:

بلکہ ائمہ ثلاثہ اور ان کے تمام متبعین کا عمل اس حدیث کے برخلاف ہے، اور شوافع اگرچہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں، مگر وہ اس حدیث کے ظاہری معنی پر عمل نہیں کرتے، بلکہ تاویل یا دوسری روایت کے پیش نظر سینے کے

نیچے ہی ہاتھ باندھنا مستحب قرار دیتے ہیں۔

بہرکیف بارھویں صدی میں پیدا ہونے والی غیر مقلدیت سے پہلے پوری دنیا انہیں ائمہ کرام کی اتباع کرتی تھی، اور آج بھی اکثریت انہیں قرونِ فاضلہ اور سلف صالح علما کی اتباع کرتی ہے، لہٰذا پوری امت محمدیہ کے خلاف جانا جائز و درست نہیں۔ امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر امت مسلمہ کا کسی حدیث کے ترک عمل پر اجماع ہو جائے تو اس کا چھوڑ دینا اور اس پر عمل نہ کرنا واجب ہے۔''

(الاشفاق علی احکام الطلاق للکوثری، ص۴۶)

یہاں زیر بحث مسئلہ کی روایات سے استدلال نہ کرنے پر اجماع تو نہیں، لیکن اگر شوافع کا ان روایات کے ظاہری معنی پر عمل نہ کرنے کو لے لیا جائے تو یہاں پر ان روایات کے موافق عمل نہ کرنے پر صورت اجماع ضرور ہے، کیوں کہ شوافع خود وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت کے ظاہری معنی پر عمل نہیں کرتے، بلکہ دوسری حدیث۔ جس میں وارد ہے کہ سینے کے نیچے ہاتھ رکھا جائے۔ اسے اس روایت کے لئے مفسر مانتے ہیں، اور سینے کے نیچے ہاتھ رکھنے کو مستحب جانتے مانتے ہیں، دیکھیں:

اسنی المطالب فی شرح روض الطالب لزکریا انصاری شافعی، ج۱ص ۱۴۵

بہ ہر حال بارھویں صدی ہجری میں پیدا ہونے والی غیر مقلدیت سے پہلے پوری امت مسلمہ کم از کم ان روایات کے ظاہری معنی کے موافق عمل نہ کرنے پر متفق تھی، اس لئے آج بھی ان روایات کے ظاہری معنی پر عمل کرنا جائز و درست نہیں ہوگا، واللہ اعلم.

مَیں نے اس بحث کو لکھنے میں دیگر کتابوں کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر عوامہ دام ظلہ کا موجود نصب الرایہ پر حاشیہ اور ماہر یاسین ہیتی کے رسالہ ''اثر علل الحدیث فی اختلاف الفقهاء'' سے مدد لی ہے۔

و الحمد لله بنعمته تتم الصالحات و الصلوة و السلام علی سید المرسلین و علی آله صحبه و من تبعهم باحسان الی یوم الدین.

مراجع

(۱) اسنی المطالب فی شرح روض الطالب لزکریا الانصاری (ت ۹۲۶ھ)، الناشر: دار الکتاب الاسلامی، عدد الاجزاء:۴

(۲) الاشفاق علی احکام الطلاق للکوثری، مطبع: المکتبة الازھریہ للتراث

(۳) بدائع الفوائدلابن القیم، مطبع: دار الکتاب العربی، بیروت، عدد الاجزاء:۴

(۴) تہذیب التھذیب لابن حجر العسقلانی (ت۸۵۲ھ) الناشر: مطبعة دائرة المعارف الاسلامیة، الھند، الطبعة: الاولٰی، ۱۳۲۶ھ، عدد الاجزاء:۱۲

(۵) تقریب التھذیب لابن حجر العسقلانی (ت۸۵۲ھ) تحقیق: محمد عوامہ، الناشر: دار الرشید، سوریا، الطبعة: الاولٰی، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶م، عدد الاجزاء:۱

(۶) السنن الکبرٰی للبیھقی (ت۴۵۸ھ) تحقیق: محمد عبد القادر عطاء، الناشر: دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة: الثالثة، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳م

(۷) سنن ابن ماجہ (ت۲۷۳ھ) تحقیق: محمد فؤاد عبد الباقی، الناشر: دار احیاء الکتب العربیة، فیصل عیسی البابی الحلبی، عدد الاجزاء:۲

(۸) سنن ابی داؤد (۲۷۵ھ) تحقیق: محمد محی الدین، الناشر: المکتبة العصریة، بیروت، عدد الاجزاء:۴

(۹) سنن الترمذی (ت۲۷۹ھ) تحقیق: احمد محمد شاکر وغیرہ، الناشر: مصطفی البابی الحلبی، مصر، الطبعة: الثانیة: ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵م، عدد الاجزاء:۵

(۱۰) سنن الدارقطنی (ت۳۸۵ھ) تحقیق: شعیب الارنؤط وغیرہ، الناشر: مؤسسة الرسالة، بیروت، الطبعة: الاولٰی: ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۴م، عدد الاجزاء:۵

(۱۱) سنن الدارمی (ت ۲۵۵ھ) تحقیق: حسین سلیم الدارانی، الناشر: دار المغنی، السعودیة، الطبعة: الاولی: ۱۴۱۲ھ/۲۰۰۰م، عدد الاجزاء:۴

(۱۲) سنن النسائی (ت۳۰۳) تحقیق: عبد الفتاح ابو غدہ، الناشر: مکتب المطبوعات، حلب، الطبعة: الثانیة، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶م، عدد الاجزاء:۸

(۱۳) شرح علل الترمذی لابن رجب الحنبلی (ت ۷۹۵ھ) تحقیق: صبحی السامرائی، مطبع: عالم الکتب، الطبعة: الثالثة، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶م

(۱۴) صحیح ابن خزیمه، (ت ۳۱۱ھ) تحقیق: محمد مصطفی اعظمی، الناشر: المکتب الاسلامی، بیروت، عدد الاجزاء:۴

(۱۵) فتح الباری لابن حجر (ت۸۵۲)الناشر :دار المعرفۃ، بیروت،۱۳۷۹ھ،ترقیم و تبویب: محمد فؤاد عبد الباقی، تعلیق:عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز، عدد الاجزاء:۱۳

(۱۶) فتح المغیث للسخاوی (ت۹۰۲ھ)تحقیق:مجدی فتحی، الناشر :المکتبۃ التوفیقیۃ

(۱۷) قرۃ العینین برفع الیدین فی الصلاۃ للبخاری (ت ۲۵۶ھ) تحقیق: احمد الشریف، الناشر :دار الارقم، الکویت، الطبعۃ:الاولی: ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳م،عدد الاجزاء:۱

(۱۸) الکاشف للذهبی (ت ۷۴۸ھ) تحقیق: محمد عوامه، الناشر: دار القبلۃ للثقافۃ الاسلامیۃ، جده، الطبعۃ:الاولی،۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲م

(۱۹) المستخرج لابی عوانه (ت ۳۱۶ھ)تحقیق: ایمن بن عارف الدمشقی، دار المعرفۃ، بیروت، الطبعۃ:الاولی:۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸م،عدد الاجزاء:۵

(۲۰) مسند احمد بن حنبل (ت۲۴۱ھ)تحقیق: شعیب الارنؤط و غیره، الناشر: مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الاولی:۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱م

(۲۱) مسند الحمیدی (ت۲۱۹ھ)تحقیق:حسن سلیم الدارانی، الناشر:دار السقا، دمشق، سوریا، الطبعۃ:الاولی:۱۹۹۶م،عدد الاجزاء:۲

(۲۲) مسند الطیالسی، الناشر:دار المعرفۃ، بیروت، عدد الاجزاء:۱

(۲۳) مصنف عبد الرزاق (ت ۲۱۱ھ)تحقیق: حبیب الرحمن اعظمی، المکتب الاسلامی، بیروت، الطبعۃ:الثانیۃ،۱۴۰۳ھ،عدد الاجزاء:۱۱

(۲۴) مصنف ابن ابی شیبۃ، (ت ۲۳۵ھ) تحقیق: کمال یوسف الحوت، الناشر: مکتبۃ الرشاد-الریاض، الطبعۃ الاولی:۱۴۰۹ھ،عدد الاجزاء:۷

(۲۵) المنتقی لابن الجارود (ت ۳۰۷ھ)تحقیق: عبد اللہ عمر البارودی، الناشر: مؤسسۃ الکتاب الثقافیۃ، بیروت، الطبعۃ:الاولی،۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸م،عدد الاجزاء:۱

(۲۶) میزان الاعتدال للذهبی (ت ۷۴۸ھ) تحقیق: علی محمد البجاوی، الناشر: دار المعرفۃ، بیروت، الطبعۃ:الاولی،۱۳۸۲ھ/۱۹۶۳م،عدد الاجزاء:۴

(۲۷) نیل الاوطار للشوکانی (ت۱۲۵۰ھ)تحقیق:عصام الدین، الناشر :دار الحدیث، مصر، الطبعۃ:الاولی،۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳م،عدد الاجزاء:۸

حدیث((ما بین قبری و منبری روضة من ریاض الجنة))
کی تحقیق انیق

۲۰۱۲ء میں مارہرہ مقدسہ کی سرزمین پر عرس کا سماں تھا، فیوض و برکات بٹ رہے تھے، مجھ ناچیز کو بھی اس سال پہلی بار عرس مقدس میں شریک ہو کر فیوض و برکات سمیٹنے کا موقع ملا، عرس کے دوسرے دن کی صبح تھی، علمائے کرام و مفکرین عظام بعد نماز فجر امت مسلمہ کی زبوں حالی پر گفتگو کر رہے تھے، میں بھی اس علمی مجلس کو غنیمت سمجھ کر شریک مجلس ہو گیا، گفتگو کے دوران ان علمائے کرام اور مفکرین عظام نے اپنے تجربات کی روشنی میں میری بھی بعض الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھایا، اللہ تعالی ان مخلص علمائے کرام کو تا دیر قائم و دائم رکھے۔ آمین!
امت کی زبوں حالی پر گفتگو کرتے ہوئے ایک مشہور حدیث:

((ما بین قبری و منبری روضة من ریاض الجنة))

ترجمہ: ((میری قبر اور میرے منبر کا درمیانی فاصلہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے۔))

پر گفتگو شروع ہو گئی، جس کے مقابل صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کی دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

((ما بین بیتی و منبری روضة من ریاض الجنة))

ترجمہ: ((میرے گھر اور اور میرے منبر کا درمیانی فاصلہ جنت کی مقدس جگہوں میں سے ایک جگہ ہے۔))

بہ ظاہر دونوں حدیثوں کے درمیان تعارض نظر آرہا ہے، اس لیے کہ حدیث میں ((بیتی)) کا ذکر غریب نہیں، کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ کے پاس گھر تھا، البتہ حضور ﷺ کا

اپنی قبر کا اس طور سے ذکر کرنا ظاہری طور پر عجیب وغریب ضرور ہے، کیونکہ قبر انور تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وجود میں آئی، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قبر کے بارے میں کیسے خبر دے دی!!

بعض علمائے کرام نے اس تعلق سے اپنی آرا پیش کیں، اس وقت میرے ذہن میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دو جواب آئے تھے، میں بھی تھوڑی کوشش کے بعد ایک جواب ان مشائخ کے درمیان پیش کرنے کی جسارت کر سکا، اور رہا دوسرا جواب تو وہ میرے ذہن ہی میں رہ گیا، اور اسے عرض نہیں کر سکا، بہر حال مسئلہ اس وقت پورے طور سے حل نہیں ہو سکا، اور میری ایک اچھی عادت ہے کہ مسئلہ اگر حل نہ ہو تو خلجان- خاص طور سے اگر مسئلہ حدیث سے متعلق ہو- دل میں باقی رہتا ہے، اسی عادت کی بنا پر جب میں ربیع الاول شریف کے بعد ہندوستان سے جامعہ از ہر مصر آرہا تھا، بحرین میں چھ سات گھنٹے کا وقفہ تھا، میں نے اسی وقفے کے درمیان اپنے لیپ ٹاپ میں موجود کتابوں کے ذریعہ اس مسئلہ کے حل کے لیے کافی حد تک مواد جمع کر لیا تھا، مگر تعلیمی مصروفیت یا کہہ لیجئے کہ سستی کی وجہ سے میں اس مسئلہ کے مباحث کو قلم بند نہیں کر سکا، بہر حال آج میں اس حدیث کے مباحث کو قلم بند کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، اور یہ عرس مارہرہ مقدسہ ہی کی برکتوں میں سے ایک عظیم برکت ہے، شاید اگر مجھے وہاں حاضری کا شرف حاصل نہیں ہوتا تو میں یہ تحریر وتحقیق اب تک قارئین کرام کے سامنے پیش نہیں کر سکتا، اللہ اہل مارہرہ شریف کے فیوض وبرکات کو عام وتام فرمائے، آمین!

اس تحقیق میں سب سے پہلے میں ان احادیث کو ذکر کروں گا جن میں لفظ 'قبر' کا ذکر ہے، پھر بحث وتمحیص کے بعد ان احادیث کی اسانید کا حکم باعتبار صحت وضعف بیان کروں گا، اور اختصار کے پیش نظر راویوں کا ترجمہ، اور ان کا ثقہ وضعف بیان کرنے کے لیے میں صرف حافظ ابن حجر کی کتاب ''تقریب التہذیب'' اور امام مزی رحمہما اللہ کی کتاب ''تہذیب الکمال فی اسماء الرجال'' پر اکتفا کروں گا، اور جہاں کسی اور کتاب کی طرف رجوع کروں گا وہاں اس کی صراحت کر دوں گا، پھر اس کے بعد محدثین کرام کی توجیہات پیش کر کے ان

شاءاللہ خلاصہ کلام کے طور پر نتیجہ بیان کرنے کی کوشش کروں گا، و ما توفیقی الا باللّٰہ علیہ توکلت و الیہ انیب۔

(۱) حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ

ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(الف) حدثنا ابو اسامة، و ابن نمیر، عن عبد اللّٰہ بن عمر، عن حبیب بن عبد الرحمن، عن حفص بن عاصم، عن ابی ہریرة رضی اللّٰہ عنه، قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم:

((ما بین قبری و منبری روضة من ریاض الجنة، و منبری علی الحوض))

ترجمہ: ((میری قبر اور منبر کا درمیانی فاصلہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے، اور میرا منبر حوض کوثر پر ہے۔)) (مصنف ابن ابی شیبة، رقم: 31659)

سند پر کلام:

(۱) ابواسامہ، یہ حماد بن اسامہ کوفی ثقہ ہیں کبھی کبھی تدلیس بھی کرتے ہیں (ت ۲۰۱ھ)، آپ نے اسّی سال کی عمر پائی، آپ نے عبیداللہ بن عمر عمری وغیرہ سے، اور آپ سے ابن ابی شیبہ وغیرہ نے روایت کی ہے۔

(۲) ابن نمیر، یہ عبداللہ بن نمیر ابو ہشام کوفی ثقہ ہیں (ت ۱۹۹ھ)، آپ نے چوراسی سال کی عمر پائی، آپ نے عبیداللہ بن عمر عمری وغیرہ سے روایت کی ہے، آپ سے ابن ابی شیبہ وغیرہ نے روایت کی ہے۔

(۳) عبداللہ بن عمر، یہ ابوعبدالرحمٰن عمری حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک ضعیف ہیں (ت ۱۷۱ھ)، لیکن ڈاکٹر محمود سعید ممدوح نے انہیں حسن الحدیث قرار دیا ہے۔

(رفع المنارۃ ص ۳۰۴-۳۱۷)

آپ نے خبیب بن عبدالرحمٰن وغیرہ سے، اور آپ سے اسماعیل بن یحییٰ شیبانی وغیرہ

نے روایت کی ہے۔

(۴) خبیب بن عبد الرحمٰن، یہ ابوالحارث مدنی ثقہ ہیں (ت ۱۳۲ھ)، آپ نے حفص بن عاصم وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۵) حفص بن عاصم، یہ حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب عمری ثقہ ہیں (آپ کی وفات ایک صدی ہجری کے بعد ہوئی)، آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(٦) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

حکم روایت:

امام مزی رحمہ اللہ نے ابو اسامہ اور ابن نمیر کے ترجمہ میں عبد اللہ بن عمر عمری کو ان دونوں کے اساتذہ میں، اور نہ ہی عبد اللہ بن عمر عمری کے ترجمہ میں ان دونوں کو ان سے روایت کرنے والوں میں ذکر کیا ہے، حالانکہ ان دونوں کا عبد اللہ عمری کے معاصر ہونے کی وجہ سے ان سے سماع ممکن ہے، مگر میرا رجحان اس طرف ہے کہ یہ عبد اللہ بن عمر عمری نہیں بلکہ ان کے بھائی عبید اللہ بن عمر عمری ثقہ ہیں، کیوں کہ ان دونوں کے ترجمہ میں امام مزی رحمہ اللہ نے عبید اللہ عمری کو ان کے شیوخ، اور عبید اللہ عمری کے ترجمہ میں ان دونوں کو ان سے روایت کرنے والوں میں ذکر کیا ہے، نیز ابن ابی عاصم نے اپنی کتاب ''السنة'' میں عبید اللہ بن عمر ہی ذکر کیا ہے، جیسا کہ آنے والی روایت میں اس کا بیان آ رہا ہے، بہر حال اگر عبد اللہ عمری ہیں تو حدیث حسن الاسناد، اور اگر ان کے بھائی عبید اللہ عمری ہیں تو حدیث صحیح الاسناد ہے۔ و اللہ اعلم.

فائدہ:

مصنف ابن ابی شیبہ کی سند میں ایک راوی جن کا نام خبیب بن عبد الرحمٰن ہے حبیب لکھا ہوا ہے، صحیح یہ کہ وہ خبیب ہی ہیں، کیونکہ عبد اللہ بن عمر عمری یہ حبیب سے نہیں بلکہ خبیب سے روایت کرتے ہیں، اور خبیب حفص بن عاصم سے روایت کرتے ہیں نہ کہ حبیب، اس

لیے صحیح یہ ہے کہ سند میں ذکر کردہ راوی خبیب ہیں۔

ابن ابی عاصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(ب)حدثنا ابو اسامة، و ابن نمیر، عن عبید اللہ بن عمر، عن خبیب بن عبد الرحمن، عن حفص بن عاصم، عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

((ما بین قبری و منبری روضة من ریاض الجنة، و منبری علی الحوض)) (السنة لابن ابی عاصم، رقم:۷۳۱)

حکم روایت:

اس روایت کی سند پر اس سے پہلی والی حدیث میں کلام گزر چکا، اس کتاب میں اسامہ اور ابن نمیر کا عبید اللہ بن عمر عمری سے روایت کرنا مذکور ہے، اس اعتبار سے یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ و اللہ اعلم.

امام بزار رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(ت)حدثنا الحسن بن محمد الزعفرانی، قال: حدثنا یحي بن عباد ابو عباد، قال: حدثنا شعبة، عن خبیب بن عبد الرحمن، عن حفص بن عاصم، عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

((ما بین قبری و منبری روضة من ریاض الجنة، ومنبری علی ترعة من ترع الجنة))

ترجمہ: ((میری قبر اور میرے منبر کے درمیان کا فاصلہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے، اور میرا منبر جنت کی مقدس جگہوں میں سے ایک جگہ پر ہے))

امام بزار رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

و هذا الحديث لا نعلم رواه عن شعبة الا يحيى بن عباد ابو عباد۔

ترجمہ: میرے علم کے مطابق اس حدیث کو شعبہ سے صرف یحییٰ بن عباد ابو عباد نے روایت کی ہے۔(مسند البزار / البحر الزخار، رقم:۸۲۰۰)

سند پر کلام:

(۱) حسن بن محمد زعفرانی، یہ ابوعلی بغدادی ثقہ ہیں (ت۲۶۰ھ)، آپ ابوعباد یحییٰ بن عباد ضبعی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

(۲) یحییٰ بن عباد ابو عباد، یہ بصری صدوق ہیں (ت۲۹۸ھ)، آپ نے شعبہ بن الحجاج وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۳) شعبہ، یہ شعبہ بن الحجاج عتکی ابو بسطام ثقہ، حافظ، متقن ہیں (ت۱۶۰ھ)، آپ نے خبیب بن عبد الرحمٰن وغیرہ سے روایت کی ہے، اور باقی راویوں کے تراجم کا بیان ماقبل سے پہلی والی روایت میں گزر چکا۔

حکم روایت:

حسن الاسناد۔و الله اعلم.

(۳،۲) حدیث علی بن ابی طالب وابی ہریرہ رضی اللہ عنہما

امام بزار رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(الف) حدثنا عبد الصمد بن سليمان المقرئ، قال: نا ابو نباتة يونس بن يحي، قال: نا سلمة بن وردان، عن ابي سعيد بن ابي المعلي، عن على بن ابى طالب رضى الله عنه، و ابى هريرة رضى الله عنه، عن النبى صلى الله عليه وسلم، قال:

((ما بين قبرى و منبرى روضة من رياض الجنة))

او قال:

((ما بين بيتی و منبري روضة من رياض الجنة))

(مسند البزار / البحر الزخار، رقم:۵۱۱)

سند پر کلام:

(۱) عبدالصمد بن سلیمان مقری، مجھے ان کا ترجمہ نہیں مل سکا۔

(۲) ابونباتہ یونس بن یحییٰ، یہ مدنی صدوق ہیں (ت ۲۰۷ھ)، آپ نے سلمہ بن وردان وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۳) سلمہ بن وردان، یہ ابویعلی مدنی ضعیف ہیں (ت ۱۵۳ھ)، آپ نے ابوسعید بن ابی معلیٰ وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۴) ابوسعید بن ابی معلیٰ، یہ مدنی مقبول ہیں (آپ کی وفات ایک صدی ہجری کے بعد ہوئی)، آپ علی بن ابی طالب اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

(۵) صحابی رسول علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، وابوہریرہ رضی اللہ عنہ

حکم روایت:

ضعیف الاسناد۔و اللّٰہ اعلم.

امام بزار رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(ب) حدثنا عبد الصمد بن سليمان المروزی، قال: حدثنا ابو نباتة، قال: حدثنا سلمة بن وردان، عن ابی سعيد بن المعلي، عن علی بن ابی طالب رضی الله عنه، و ابی هريرة رضی الله عنه، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:

((ما بين قبری و منبری روضة من رياض الجنة، و صلاة فی مسجدی افضل من الف صلاة فيما سواه الا المسجد الحرام))

ترجمہ: ((میری قبر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک

کیاری ہے، اور میری مسجد میں ایک نماز- سوائے مسجد حرام کے- دوسری تمام مسجدوں کی ایک ہزار نماز سے افضل ہے۔))

(مسند البزار/ البحر الزخار، رقم:۷۶۲۲)

حکم روایت:

اس روایت کی سند پر اس سے پہلی والی حدیث میں کلام گزر چکا، غالباً عبدالصمد بن سلیمان مروزی اور مقری ایک ہی ہیں، بہر حال مجھے ان کا ترجمہ بھی نہیں مل سکا، یہ روایت بھی ضعیف الاسناد ہے۔ واللہ اعلم.

(۴) حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(الف) حدثنا عفان، حدثنا عبد الواحد يعني ابن زياد، حدثنا اسحاق بن شرفي مولى عبد الله بن عمر، قال: حدثنا ابو بكر بن عبد الرحمن بن عبد الله بن عمر، عن عبد الله بن عمر، قال: حدثني ابو سعيد الخدري رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم:

((ما بين قبري و منبري روضة من رياض الجنة))

قال عبد الله: قال ابي: إسحاق بن شرفي، حدثنا عنه محمد بن فضيل، حدثنا اسحاق بن عبد الرحمن، و قال عبد الواحد بن زياد: اسحاق بن شرفي.

ترجمہ: (امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے صاحب زادے عبداللہ کہتے ہیں: میرے والد نے کہا: اسحاق بن شرفی، ان سے محمد بن فضیل نے روایت کی اور کہا: ہم سے اسحاق بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی، اور عبدالواحد نے کہا: اسحاق بن شرفی) (مسند احمد بن حنبل، رقم:۱۱۶۱۰)

یعنی اسحاق بن شرفی اور اسحاق بن عبدالرحمٰن ایک ہی ہیں.

سند پر کلام:

(۱) عفان، یہ عفان بن مسلم ابوعثمان الباہلی ثقہ، ثبت ہیں (ت ۲۱۹ھ)، آپ نے عبد الواحد بن زیاد وغیرہ سے، اور آپ سے امام احمد بن حنبل وغیرہ نے روایت کی ہے۔

(۲) عبدالواحد بن زیاد، یہ ابوبشر عبدی بصری ثقہ ہیں (ت ۱۷۶ھ)، آپ نے اسحاق بن شرفی وغیرہ سے (المؤتلف و المختلف للدارقطني، باب شرفي و شرقي) روایت کی ہے۔

(۳) اسحاق بن شرفی مولی عبداللہ بن عمر، بعض نے انہیں اسحاق بن مغیرہ، اور بعض نے اسحاق بن عبدالرحمٰن کہا، بہر حال وہ ثقہ ہیں۔

(العلل و معرفة الرجال لاحمد بن حنبل، رقم:۴۱۶۶، الثقات لابن شاهين، رقم:۶۳)

آپ نے ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عمر وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۴) ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عمر، یہ ابوبکر بن عمر بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عمر مدنی ثقہ ہیں (آپ کی وفات ایک صدی ہجری کے بعد ہوئی)، آپ نے اپنے والد کے دادا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے روایت کی ہے، مگر آپ کی روایت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقطع ہے۔ (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم، رقم:۱۴۹۱)

(۵) صحابیِ رسول عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما

(۶) صحابیِ رسول ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ

حکم روایت:

منقطع الاسناد۔ و اللّٰه اعلم.

امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(ب) و حدثنا علي بن عبد الرحمن بن محمد بن المغيرة، و محمد بن علي بن داود قالا: حدثنا عفان بن مسلم، قال: حدثنا عبد الواحد بن زياد، قال: حدثنا إسحاق بن شرفي مولى آل عمر،

قال: حدثني ابو بكر بن عبد الرحمن ان عبد الله بن عمر رضي الله عنهما، قال: حدثني ابو سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم:

((ما بين قبري و منبري روضة من رياض الجنة))

(شرح مشکل الآثار، رقم: ۲۸۷۹)

سند پر کلام:

(۱) علی بن عبدالرحمٰن بن محمد بن مغیرہ، یہ مصری ہیں، ان کا لقب علان ہے، آپ صدوق ہیں (ت ۲۷۲ھ)، آپ سے ابوجعفر طحاوی وغیرہ نے روایت کی ہے، امام مزی نے آپ کے شیوخ میں عفان بن مسلم کو ذکر نہیں کیا، اور نہ ہی آپ کو عفان بن مسلم کے شاگردوں میں شمار کیا ہے، اور اس کا ذکر مجھے بعض دوسری کتابوں میں بھی نہیں مل سکا۔

(۲) محمد بن علی بن داؤد، یہ ابن اخت غزال سے مشہور ہیں، آپ ثقہ ہیں (ت ۲۶۴ھ)، آپ نے عفان بن مسلم وغیرہ سے، اور آپ سے امام ابوجعفر طحاوی وغیرہ نے روایت کی ہے۔ (تاریخ ابن یونس المصری، رقم: ۵۸۰، وتاریخ دمشق لابن عساکر، رقم: ۶۷۹۴)

باقی راویوں پر کلام اس سے پہلی والی روایت میں گزر چکا۔

حکم روایت:

منقطع الاسناد۔ و الله اعلم.

ابویعلی موصلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(ت) حدثنا زهير، حدثنا عفان بن مسلم، حدثنا عبد الواحد بن زياد، حدثنا اسحاق بن شرفي مولى ابن عمر، قال: حدثني ابو بكر بن عبد الرحمن بن عبد الله بن عمر، عن عبد الله بن عمر، قال: حدثني ابو سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم:

((ما بین قبری و منبری روضة من ریاض الجنة))

(مسند ابی یعلٰی الموصلی، رقم:۱۳۴۱)

سند پر کلام:

(۱) زہیر، یہ زہیر بن حرب بن شداد ابوخیثمہ نسائی ثقہ، ثبت ہیں (ت ۲۳۴)، آپ نے عفان بن مسلم وغیرہ سے اور آپ سے ابویعلٰی موصلی وغیرہ نے روایت کی ہے۔

باقی راویوں پر کلام اس سے پہلے سے قبل والی روایت میں گزر چکا۔

حکم روایت:

منقطع الاسناد۔

(۵) حدیث ابن زبیر رضی اللہ عنہ

حدثنا محمد بن عمر، ثنا الولید بن کثیر، عن سعید بن ابی هند، حدثنی قُنفُذ، قال: رایت الزبیر کثیرا یصلی بین القبر و المنبر فقلت له فی ذلك، فقال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول:

((ما بین قبری و منبری روضة من ریاض الجنة)) قلت: و اعاده فقال: ((ما بین بیتی و منبری))

(مسند الحارث/ بغیة الباحث عن زوائد مسند الحارث، رقم:۳۹۹)

سند پر کلام:

(۱) محمد بن عمر، یہ واقدی ابوعبداللہ اسلمی ہیں، آپ سعت علم کے باوجود بھی متروک ہیں (ت ۲۰۷ھ)، آپ نے الولید بن کثیر وغیرہ سے، اور آپ سے حارث بن محمد بن ابی اسامہ تمیمی وغیرہ نے روایت کی ہے۔

(۲) ولید بن کثیر، یہ ابومحمد مدنی صدوق ہیں (ت ۱۵۱ھ)، آپ نے سعید بن ابی ہند وغیرہ

سے روایت کی ہے۔

(۳) سعید بن ابی ہند، یہ فزاری ثقہ ہیں (ت ۱۱۶ھ)، آپ نے صحابی قنفذ رضی اللہ عنہ (صحیح یہ کہ آپ نے صحابی رسول مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ) وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۴) قنفذ، یہ قنفذ بن عمیر تمیمی صحابی ہیں، مگر صحیح یہ ہے کہ یہ قنفذ نہیں بلکہ ان کے بیٹے صحابی رسول مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ ہیں، آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ (اسد الغابة لابن الاثیر، رقم:۴۳۲۳،۵۱۳۸)

(۵) صحابی رسول الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، مگر صحیح یہ ہے کہ اس حدیث کے صحابی ان کے بیٹے عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما ہیں۔ (اسد الغابة لابن الاثیر، رقم:۴۳۲۳)

حکم روایت:

ضعیف الاسناد۔ و اللہ اعلم.

(٦) حدیث عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ

امام ابوبکر رویانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نا محمد بن بشار، نا عبد الرحمن بن مهدی، نا مالك بن انس، عن عبد الله بن ابی بكر، عن عباد بن تميم، عن عبد الله بن زيد، ان النبی صلی الله عليه وسلم قال:

((ما بين قبری و منبری روضة من رياض الجنة))

(مسند الرویانی، رقم:۱۰۰۷)

سند پر کلام:

(۱) محمد بن بشار، یہ ابوبکر بندار بصری ثقہ ہیں (ت ۲۵۲ھ)، آپ نے عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۲) عبدالرحمٰن بن مہدی یہ ابوسعید عنبری ثقہ، ثبت، حافظ ہیں (۱۹۸ھ)، آپ نے مالک

بن انس وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۳) مالک بن انس، یہ ابو عبداللہ امام دار الہجرہ ثقہ ہیں (ت ۱۷۹ھ)، آپ نے عبداللہ بن ابی بکر وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۴) عبداللہ بن ابی بکر، یہ عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری ثقہ ہیں (ت ۱۳۵ھ)، آپ نے عباد بن تمیم انصاری وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۵) عباد بن تمیم، یہ انصاری مدنی ثقہ ہیں (ان کی وفات ایک صدی ہجری کے بعد ہوئی)، آپ نے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۶) صحابی رسول عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ

حکم روایت:

صحیح الاسناد۔ واللہ اعلم.

(۷) حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا

امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(الف) و حدثنا عبد الغنی بن ابی عقیل، قال: حدثنا سفیان بن عیینة، عن عمار الدهنی، عن ابی سلمة، عن ام سلمة رضی اللہ عنها، قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

((ما بین قبری و منبری روضة من ریاض الجنة، و إن قوائم منبری علی رواتب فی الجنة))

ترجمہ: ((میری قبر اور منبر کے درمیان کی جگہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے، اور میرے منبر کے پائے جنت کے مضبوط پایوں پر ہے۔))

(شرح مشکل الآثار للطحاوی، رقم: ۲۸۷۲)

سند پر کلام:

(۱) عبدالغنی بن ابی عقیل، یہ عبدالغنی بن رفاعہ بن عبدالملک، ابو جعفر ابن عقیل مصری ثقہ

ہیں (ت ۲۵۵ھ)، آپ نے سفیان بن عیینہ وغیرہ سے، اور آپ سے ابو جعفر طحاوی وغیرہ نے روایت کی ہے۔

(۲) سفیان بن عیینہ، یہ ابو محمد کوفی ثقہ، حافظ، حجت ہیں (ت ۱۹۸ھ)، آپ نے عمار دہنی وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۳) عمار دہنی، یہ عمار بن معاویہ دہنی ابو معاویہ کوفی صدوق ہیں (ت ۱۳۳ھ)، آپ نے ابوسلمہ وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۴) ابوسلمہ، یہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عوف مدنی ثقہ ہیں (ت ۱۹۴ھ)، آپ نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۵) ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا

حکم روایت:

حسن الاسناد۔ واللہ اعلم.

امام ابوبکر محمد بن حسین آجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(ب) اخبرنا ابو محمد عبد اللّٰہ بن صالح البخاری، قال: حدثنا ابو معمر القطیعی، و محمد بن ابی عمر العدنی، و یوسف بن موسی القطان، قالوا: حدثنا سفیان بن عیینة، عن عمار الدھنی، عن ابی سلمة، عن ام سلمة رحمھا اللّٰہ، ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ((ما بین قبری و منبری روضة من ریاض الجنة، و إن قوائم منبری ھذا رواتب فی الجنة)) (الشریعة للآجری، رقم:۱۸۳۵)

سند پر کلام:

(۱) ابو محمد عبداللہ بن صالح بخاری، یہ عبداللہ بن صالح بن عبداللہ بن الضحاک ثقہ ہیں (ت ۳۰۵ھ) (تاریخ بغداد للخطیب بغدادی، رقم:۵۰۶۴)

آپ نے ابو معمر قطیعی، محمد بن ابی عمر عدنی وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۲) ابو معمر قطیعی، یہ اسماعیل بن ابراہیم بن معمر، ابو معمر قطیعی ثقہ، مامون ہیں (ت۲۳۶ھ)، آپ نے سفیان بن عیینہ وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۳) محمد بن ابی عمر عدنی، یہ محمد بن یحیی بن ابی عمر عدنی صدوق ہیں (ت۲۴۳ھ)، آپ نے سفیان بن عیینہ وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۴) یوسف بن موسی قطان، یہ یوسف بن موسی بن راشد صدوق ہیں (۲۵۳ھ)، آپ نے سفیان بن عیینہ وغیرہ سے روایت کی ہے۔

باقی راویوں پر کلام ماقبل والی روایت میں گزر چکا۔

حکم روایت:

صحیح الاسناد۔ واللہ اعلم.

(۸) حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما

امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(الف) حدثنا محمد بن علی بن داود، قال: حدثنا احمد بن یحي المسعودی، قال: حدثنا مالك، عن نافع، عن ابن عمر رضی اللّٰه عنهما، قال: قال رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم:

((ما بين قبری و منبری روضة من رياض الجنة))

قال ابو جعفر: (و هذا من حديث مالك يقول اهل العلم بالحديث: انه لم يحدث به عن مالك احد غير احمد بن يحيٰی، و غير عبد اللّٰه بن نافع الصائغ)

ترجمہ: ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(اہل علم کہتے ہیں کہ اس روایت کو امام مالک رحمہ اللہ کی حدیث سے احمد بن یحیٰی اور عبداللہ بن نافع صائغ کے سوا کسی نے روایت نہیں کی۔)

(شرح مشکل الآثار للطحاوی، رقم:۲۸۷۴)

سند پر کلام:

(۱) محمد بن علی بن داؤد، یہ ابن اخت غزال سے مشہور ہیں، آپ ثقہ ہیں (ت۲۶۴ھ)، آپ سے امام ابوجعفر طحاوی وغیرہ نے روایت کی ہے۔

(تاریخ ابن یونس المصری، رقم: ۵۸۰، وتاریخ دمشق لابن عساکر، رقم: ۶۷۹۴)

(۲) احمد بن یحیٰ مسعودی، مجھے یحیٰ بن مسعودی کا ترجمہ نہیں مل سکا۔

(۳) مالک، یہ مالک بن انس ابوعبداللہ امام دارالہجرہ ثقہ ہیں (ت۱۷۹)، آپ نے نافع مولیٰ ابن عمر وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۴) نافع، یہ نافع مولی عبداللہ بن عمر، ابوعبداللہ مدنی ثقہ، ثبت ہیں (ت۱۱۷ھ)، آپ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۵) صحابی رسول ابن عمر رضی اللہ عنہما

حکم روایت:

اس روایت کا حکم احمد بن یحیٰ مسعودی کی ثقاہت وضعف پر موقوف ہے.

امام سلیمان بن احمد طبرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(ب) حدثنا احمد قال: نا ابو حصین الرازی، قال: نا یحي بن سلیم، عن عبد اللہ بن عثمان بن خثیم، عن نافع، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما، قال: قال رسول اللہ ﷺ:

((ما بین قبری و منبری روضة من ریاض الجنة))

(لم یرو هذا الحدیث عن ابن خثیم الا یحي، تفرد به ابو حصین)

ترجمہ: امام طبرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس حدیث کو ابن خثیم سے یحیٰ کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا، ابوحصین ان کو ذکر کرنے میں متفرد ہیں۔ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم: ۶۱۰)

سند پر کلام:

(۱) احمد، غالباً یہ احمد بن علی ابار ثقہ ہیں جو شیوخ طبرانی میں سے ہیں (ت ۲۹۰ھ)، آپ نے ابو حصین وغیرہ سے روایت کی ہے۔ (تاریخ الاسلام للذہبی، رقم: ۵۷)

(۲) ابو حصین رازی، یہ ابو حصین عبداللہ بن یحیٰی بن سلیمان ثقہ ہیں (آپ کی وفات دوسری صدی ہجری کے بعد ہوئی)، آپ نے یحیٰی بن سلیم طائفی وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۳) یحیٰی بن سلیم، یہ طائفی صدوق سیء الحفظ ہیں (۲۹۳ھ)، آپ نے عبداللہ بن عثمان بن خثیم وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۴) عبداللہ بن عثمان بن خثیم، یہ ابو عثمان مکی صدوق ہیں (ت ۱۲۳ھ)، آپ نے نافع مولیٰ بن عمر وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۵) نافع، اس سے پہلی والی روایت میں ان کا ترجمہ گزر چکا۔

(۶) صحابی رسول ابن عمر رضی اللہ عنہما

حکم روایت:

ضعیف الاسناد۔ واللہ اعلم.

امام طبرانی سلیمان بن احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(ج) **حدثنا محمد بن احمد بن ابی خیثمة، قال: قلت لادریس بن عیسی القطان، حدثکم محمد بن بشر العبدی، ثنا عبید اللّٰہ بن عمر، عن ابی بکر بن سالم، عن سالم، عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:**

((ما بین قبری، و منبری روضة من ریاض الجنة، و منبری علی حوضی))

(فاخرج اصله و قال: قد کتبته عن محمد بن بشر)

ترجمہ: یعنی سند میں مذکور ادریس بن عیسی نے اپنی اصل کتاب نکالی اور کہا: میں نے اس حدیث کو محمد بن بشر سے لکھا ہے۔(المعجم الکبیر للطبرانی، رقم:۱۳۱۵۶)

سند پر کلام:

(۱) محمد بن احمد بن ابی خیثمہ، یہ ابوعبداللہ نسائی ثقہ ہیں (۲۹۷ھ)، آپ نے نصر بن علی جہضمی وغیرہ سے، اور آپ سے طبرانی وغیرہ نے روایت کی ہے۔

(تاریخ الاسلام للذھبی، رقم:۳۶۹)

(۲) ادریس بن عیسی قطان، یہ ابومحمد مخرمی 'لا باس بہ' ہیں (ت ۲۵۶ھ)، آپ نے زید بن حباب وغیرہ سے، اور آپ سے یحیٰ بن محمد بن صاعد وغیرہ نے روایت کی ہے۔

(تاریخ بغداد للخطیب، رقم:۳۴۳۱)

(۳) محمد بن بشر عبدی، یہ ابوعبداللہ کوفی ثقہ، حافظ ہیں (ت ۲۰۳ھ)، آپ نے عبیداللہ بن عمر عمری وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۴) عبیداللہ بن عمر، یہ عبیداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن خطاب، ابوعثمان ثقہ، ثبت ہیں (ت ۱۴۳ھ)، آپ نے ابوبکر بن سالم وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۵) ابوبکر بن سالم، یہ ابوبکر بن سالم بن عبداللہ بن عمر ثقہ ہیں (آپ کی وفات ایک صدی ہجری کے بعد ہوئی)، آپ نے اپنے والد سالم بن عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے۔

(۶) سالم، یہ سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب، ابوعمر مدنی، فقہائے سبعہ میں سے ہیں، آپ ثبت ہیں (۱۰۶ھ)، آپ نے اپنے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۷) صحابی رسول عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

حکم روایت:

حسن الاسناد۔ و اللہ اعلم.

(۹) حدیث ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ

ابوسعید ابن اعرابی احمد بن محمد صوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نا محمد، نا سعید بن سلام العطار، نا ابو بکر بن ابی سبرة، عن زید بن اسلم، عن عطاء بن یسار، عن عبد الرحمن بن یربوع، عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

((ما بین قبری و منبری روضة من ریاض الجنة))

(معجم ابن الاعرابی، رقم:۳۳۷)

سند پر کلام:

(۱) محمد، یہ محمد بن سلیمان بن الحارث باغندی ابوبکر واسطی ہیں، جو 'لا باس به' ہیں (ت ۲۸۳ھ)، آپ نے سعید بن سلام وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(تاریخ بغداد للخطیب، رقم:۸۲۲، المغنی فی الضعفاء للذهبی، رقم:۵۵۸۴)

(۲) سعید بن سلام عطار، یہ سعید بن سلام بن ابی ہیفاء ابوالحسن بصری متہم بالکذب والوضع ہیں (ت ۲۱۴ھ)، انہوں نے ابوبکر بن ابی سبرہ وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی، رقم:۸۲۸، تاریخ بغداد للخطیب، رقم:۴۶۱۴، تاریخ الاسلام للذهبی، رقم:۱۵۳)

(۳) ابو بکر بن ابی سبرہ، یہ ابوبکر بن عبد اللہ بن محمد بن ابی سبرہ مدنی متہم بالوضع ہیں (۱۶۲ھ)، انہوں نے زید بن اسلم وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۴) زید بن اسلم، یہ عدوی مولی بن عمر بن الخطاب ثقہ ہیں، آپ ارسال کرتے تھے (۱۳۶ھ)، آپ نے عطا بن یسار وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۵) عطا بن یسار، یہ ابومحمد ہلالی، مدنی ثقہ، فاضل ہیں (ت ۹۴ھ)، آپ نے ابی بن کعب وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۶) عبد الرحمٰن بن یربوع، یہ عبد الرحمٰن بن سعید بن یربوع مخزومی ابو محمد ثقہ ہیں (ت۱۰۹ھ)، آپ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(۷) صحابی رسول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حکم روایت:

شدید ضعیف الاسناد، قابل اعتبار نہیں.

(۱۰) حدیث سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ

ابوسعید ابن اعرابی احمد بن محمد صوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نا محمد بن سليمان الباغندى، نا صالح بن الحسين السواق، قال: حدثنى ابى، عن جناح النجار، قال: بعثت الى فاطمة بنت سعد بن ابى وقاص اصلح لها شيئا فى منزلها فاتيتها، فقالت: اين تسكن؟ قلت: معك فى الزقازق، قالت: الزم عليك منزلك فإنى سمعت ابى سعد بن ابى وقاص رضى الله عنه، يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:

((ما بين قبرى ومصلاي روضة من رياض الجنة))

(معجم ابن الاعرابی، رقم:۳۳۹)

سند پر کلام:

(۱) محمد بن سلیمان باغندی، یہ ابوبکر واسطی ہیں۔ ان کا ترجمہ ابھی گزرا۔

(۲) صالح بن حسین سواق، یہ اپنے والد حسین سے روایت کرتے ہیں، مجہول ہیں۔

(الجرح و التعديل لابن ابی حاتم، رقم:۲۸۴)

(۳) ابی، یہ صالح کے والد حسین ابن صالح جناح نجار سے روایت کرتے ہیں، مجہول ہیں۔ (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم، رقم:۲۸۴)

(۴) جناح نجار، یہ مولیٰ لیلیٰ بنت سہیل قرشیہ ہیں، آپ نے عائشہ بنت سعد سے روایت کی ہے، ابو حاتم نے آپ کو مجہول قرار دیا۔

(الجرح و التعدیل لابن ابی حاتم، رقم:۲۲۳۴)

اور ابن حبان نے ان کو اپنی کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (رقم:۷۱۳۵)

(۵) فاطمہ بنت سعد بن ابی وقاص، مجھے ان کا ذکر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی اولاد میں نہیں ملا، بلکہ ان کی اولاد میں عائشہ کا ذکر ہے۔

(۶) صحابی رسول سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

حکم روایت:

ضعیف الاسناد۔ و اللہ اعلم.

(۱۱) حدیث عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

ابو سعید ابن اعرابی احمد بن محمد صوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نا ابو رفاعة، نا محمد بن سليمان التيمى القرشى، نا مالك بن انس، عن ربيعة بن ابى عبد الرحمن، عن سعيد بن المسيب، عن ابن عمر رضى الله عنهما، عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه، قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم:

((ما بين قبرى و منبرى روضة من رياض الجنة))

(معجم ابن الاعرابی، رقم:۱۹۲۱)

سند پر کلام:

(۱) ابو رفاعہ، یہ عبد اللہ بن محمد بن عمر بن حبیب عدوی بصری ثقہ ہیں (ت ۲۷۱ھ)، آپ نے ابراہیم بن بشار رمادی وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(تاریخ بغداد للخطیب، رقم:۵۱۵۰)

(۲) محمد بن سلیمان تیمی قرشی، یہ محمد بن سلیمان بن معاذ ہیں، ابن حبان نے انہیں الثقات

میں ذکر کیا، اور فرمایا: کبھی کبھی غلطی کرتے، اور غریب حدیث روایت کرتے ہیں، آپ امام مالک وغیرہ سے، اور آپ سے اہل بصرہ نے روایت کی ہے۔

(الثقات لابن حبان، رقم:١٥٢٦١)

اور بعض لوگوں نے ان کی تضعیف بھی کی ہے۔

(التحفة اللطيفة فى تاريخ المدينة الشريفة للسخاوى،رقم:٣٧٩٥)

(٣) مالک بن انس، ان کا بھی ترجمہ گزر چکا، آپ نے ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(٤) ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن، یہ ابوعثمان مدنی ثقہ، فقیہ ہیں (ت ١٣٦ھ)، آپ نے سعید بن میبّب وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(٥) سعید بن میبّب، یہ سعید بن میبّب بن حزن بن ابی وہب قرشی، مخزومی ثبت، فقیہ ہیں (آپ کی وفات ٩٠ھ کے بعد ہوئی)، آپ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے روایت کی ہے۔

(٦) صحابی رسول ابن عمر رضی اللہ عنہما

(٧) صحابی رسول عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

حکم روایت:

حسن الاسناد۔ و اللہ اعلم.

اس تفصیلی بیان سے واضح ہوگیا کہ جن اسانید کے ذریعہ حدیث کے یہ الفاظ ((ما بين قبرى و منبرى روضة من رياض الجنة)) مروی ہیں، ان میں سے بعض صحیح الاسناد، بعض حسن الاسناد، بعض ضعیف الاسناد اور بعض شدید ضعیف الاسناد ہیں، چوں کہ صحیح الاسناد اور حسن الاسناد روایتیں موجود ہیں، اس لیے ان الفاظ کے ساتھ مذکورہ احادیث کو یک لخت رد نہیں کیا جاسکتا تھا۔

حدیث ((ما بین قبری)) وحدیث ((ما بین بیتی))

کے درمیان تطبیق

اسی وجہ سے محدثین کرام وفقہائے عظام نے حدیث ((ما بین قبری و منبری روضة من ریاض الجنة)) اورحدیث ((ما بین بیتی و منبری روضة من ریاض الجنة)) کے درمیان متعدد طریقے سے توفیق و تطبیق دی ہے، میں یہاں پر اختصار کے ساتھ ان کے تطبیقی اقوال کو ذکر کرتا ہوں، پھر ان شاء اللہ کون سی تطبیق راجح ہے اسے بیان کروں گا، قارئین ملاحظہ فرمائیں:

پہلی توجیہ:

امام ابن بطال رحمہ اللہ اس حدیث کے مختلف الفاظ ذکر کرنے بعد لکھتے ہیں:

''امام طبری رحمہ اللہ نے فرمایا: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ((ما بین بیتی و منبری روضة من ریاض الجنة)) دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے:

پہلا معنی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ گھر جس میں آپ رہتے ہیں، اور یہ معنی اظہر ہے......

دوسرا معنی: اس معنی کے قائل زید بن اسلم ہیں- وہ یہ کہ حدیث میں مذکور گھر سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور ہے، اس معنی کی تائید ((ما بین قبری و منبری)) والی روایت کرتی ہے۔''

پھر آگے فرماتے ہیں:

''چوں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں سے ایک گھر ہی میں ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ تمام روایات کے الفاظ اگرچہ مختلف ہیں مگر سب صحیح ہیں، کیونکہ سب کے معنی متفق ہیں، اس لیے کہ جس گھر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور ہے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجروں میں سے ایک حجرہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں سے ایک گھر ہے، اور یہی حجرہ اور گھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر

انور ہے۔" (شرح صحیح البخاری لابن البطال، کتاب صلاة العیدین و التجمل فیھما،۴باب فضل ما بین القبر و المنبر،رقم:۱۵۱)

خاتم الحفاظ امام سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: امام طبری رحمہ اللہ نے حدیث میں مذکور لفظ ((بیتی)) کی مراد تعیین کرنے میں دو قول ذکر کیے ہیں:

پہلا قول: اس سے مراد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور ہے، اور اس کی تائید ((ما بین قبری)) والی روایت کرتی ہے۔

دوسرا قول: ظاہری اعتبار سے اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ گھر ہے جس میں آپ رہتے تھے، اور دونوں کے معنی تقریباً یکساں ہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر ہی میں ہے۔"

(تنویر الحوالك شرح موطا مالك للسیوطی،رقم:۴۶۳)

علامہ علی قاری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مابین بیتی و منبری)) اس سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس گھر ہے جس میں آپ رہتے تھے، اور بعض لوگوں نے کہا کہ حدیث میں مذکور مقدس گھر سے مراد قبر ہے، اس کی توثیق حدیث کے اس الفاظ ((ما بین قبری و منبری روضة من ریاض الجنة)) سے ہوتی ہے، اور ان دونوں کے درمیان کوئی منافات نہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس گھر ہی میں ہے۔"

(مرقاة المفاتیح شرح مشكاة المفاتیح لعلی القاری،رقم:۶۹۴)

علامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((ما بین بتی و منبری)) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ((بیتی)) سے مراد ((قبری)) ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ((ما بین

قبری)) بھی مروی ہے، اور بعض لوگوں نے کہا: وہ مقدس گھر مراد ہے جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رہتے تھے، اور دونوں معنی ایک دوسرے کے قریب ہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر ہی میں ہے۔"

(شرح الزرقانی علی الموطا، رقم: ۴۶۲-۴۶۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مسند بزار میں سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کے رجال ثقات ہیں، اور معجم الطبرانی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں لفظ قبر کا ذکر ہے، اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ((بیتی)) سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ایک مقدس گھر ہے، اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر ہے، جو بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور ہو گئی۔"

(فتح الباری لابن حجر، باب، کتاب فضائل المدینة، رقم: ۱۸۸۸)

ان محدثین عظام نے اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ یہ حدیث ((ما بین قبری و منبری)) بعینہٖ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے یا پھر معنیً روایت کی گئی ہے، مگر ان کے مذکورہ بالا اقوال سے اتنا ضرور واضح ہو گیا کہ حدیث ((ما بین قبری و منبری)) خواہ بعینہٖ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہوں یا معنیً مروی ہوں دونوں صورتوں میں ان کے نزدیک مقبول ہے، نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ ان کے نزدیک حدیث ((ما بین قبری)) اور حدیث ((ما بین بیتی)) کے درمیان کوئی تعارض و منافات نہیں۔

دوسری توجیہ:

امام ابو جعفر طحاوی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"دونوں الفاظ یعنی ((ما بین قبری و منبری روضة من ریاض الجنة)) اور ((ما بین بیتی و منبری روضة من ریاض الجنة)) کی تصحیح اس بات کو واجب کرتی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس گھر ہی قبر ہو، اور اس اعتبار سے بلاشک و شبہہ یہ نبوت کی عظیم علامتوں میں سے ایک

علامت ہوگی، کیونکہ نبی کریم ﷺ کے سوا ہر ایک پر اللہ تعالیٰ نے یہ مخفی رکھا کہ وہ کس جگہ وفات پائے گا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ﴾ (سورۂ لقمان: ۳۱ر آیت: ۳۴)

ترجمہ: ((اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی۔)) (کنز الایمان)

مگر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو آپ ﷺ کے وفات پانے کی جگہ بتادی، اور اس جگہ کو بھی بتادیا جس میں آپ ﷺ کی قبر ہوگی، جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو اس کا علم آپ ﷺ کی حیات ہی میں ہوگیا تھا، یہاں تک کہ آپ نے اپنی امت میں سے جن کو چاہا اس بات کی خبر دی، یہ وہ مقام و مرتبہ ہے جس کے اوپر کوئی مقام و مرتبہ نہیں، زادہ اللّٰہ تعالٰی شرفًا و خیرًا۔''

(شرح مشکل الآثار للطحاوی، رقم: ۲۸۸۴)

امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حضور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((ما بین قبری و منبری روضة من ریاض الجنة)) امام احمد رحمہ اللہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث، اور امام نسائی رحمہ اللہ نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے تخریج کی ہے، یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ آپ ﷺ کو اپنی حیات ہی میں اپنی وفات اور دفن کی جگہ کا علم ہوگیا تھا۔''

(فتح الباری لابن رجب، رقم: ۱۰۳۹)

ان دونوں محدثین کرام کی توجیہات سے واضح ہوگیا کہ آپ ﷺ کو اپنی وفات اور مقام تدفین کا علم عطا کردیا گیا تھا، اس لیے ان دونوں حدیثوں کے درمیان کوئی تعارض و تدافع نہیں۔

فضل ربی:

یہ وہ دوسرا جواب ہے جو مارہرہ شریف میں علمائے کرام سے گفتگو کے درمیان میرے ذہن میں آیا تھا، مگر میں اس جواب کو ان بزرگ شخصیات کے درمیان پیش نہیں کرسکا تھا۔

تیسری توجیہ:

ابن تیمیہ نے لکھا:

''وہ حدیث جس میں ((فی بیتی)) کا ذکر ہے وہی ثابت و صحیح ہے، لیکن بعض لوگوں نے اس حدیث کو معنیً روایت کیا اور کہہ دیا: ((قبری)) اور حال یہ ہے کہ حضور ﷺ اس وقت بقید حیات تھے، اسی وجہ سے آپ کے مقام تدفین کے بارے میں جب صحابہ کرام کے درمیان تنازع ہوا تو کسی بھی صحابی نے اس حدیث سے احتجاج نہیں کیا، اگر ان الفاظ کے ساتھ ان کے پاس حدیث ہوتی تو یہ قاطع نزاع ہوتی، بلکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ جس میں آپ کی وفات ہوئی اسی میں تدفین ہوئی، میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ صلوات اللّٰہ و سلامه علیه۔''

(حاشیة مسند احمد بہ حوالہ الفائدة الجلیلة لابن تیمیة، رقم:۱۱۶۱۰)

((ما بین قبری)) والی روایت کو غلط قرار دینے والے ابن تیمیہ کا رد

(۱) اسانید صحیحہ و حسنہ کے ساتھ یہ الفاظ ((ما بین قبری)) مروی ہیں، اس لیے ان روایات کو غلط قرار نہیں دیا جاسکتا، اور نہ ہی یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ سب معنیً مروی ہیں، بلکہ ایسی صورت میں تطبیق و توفیق دی جائے گی، جیسا کہ آپ حضرات نے توفیق و تطبیق کی چند مثالیں علمائے کرام کے اقوال کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حضور نبی کریم ﷺ کا قول ((ما بین بیتی و منبری)) اکثر روایتیں انہیں الفاظ کے ساتھ وارد ہیں، اور صرف ابن عساکر رحمہ اللہ کی روایت میں ہے: ((ما بین قبری و منبری)) اور بعض لوگوں نے کہا کہ یہ روایت غلط

ہے، اور احتجاج کے طور پر یہ کہا: کیونکہ امام بخاری کے شیخ مسدد کی مسند میں لفظ ((بیتی)) کے ساتھ مروی ہے، اور اسی طرح لفظ ((بیتی)) کے ساتھ "باب فضل ما بین القبر و المنبر" میں بھی مذکور ہے۔
میں کہتا ہوں: اس روایت کا غلط کی طرف نسبت کرنا غلط ہے، کیونکہ لفظ ((قبری و منبری)) ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں بھی واقع ہے، جس کی تخریج امام طبرانی رحمہ اللہ نے ایسی سند سے کی ہے جس کے رجال ثقات ہیں، اور اسی طرح سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سند صحیح کے ساتھ واقع ہے، اس کی تخریج امام بزار رحمہ اللہ نے کی ہے۔"

(عمدة القاری شرح صحیح البخاری للعینی، ۹۲ کتاب فضائل المدینة، ۲۱ باب، رقم: ۸۸۸۱)

علامہ بدالدین عینی رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا قول میں "اور بعض لوگوں نے کہا" سے مراد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہیں، جنہوں نے ایک خاص طریق سے مروی لفظ ((قبری)) کو خطا قرار دیا تھا، اس کو بھی علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے تسلیم نہیں کیا، اور اس روایت کو خطا کی طرف نسبت کرنے کو خود خطا قرار دیا۔

(۳) جب ایک خاص طریق سے اس روایت ((قبری)) کو خطا قرار دینا خطا ہے تو ابن تیمیہ کا اس لفظ کے ساتھ تمام روایات کو بالکلیہ تسلیم نہ کرنا بہ درجہ اولیٰ خطا ہوگی۔

(۴) اگر تسلیم کر لیا جائے کہ ان احادیث کو معنًی روایات کیا گیا ہے تو بھی کوئی حرج نہیں، کیونکہ حدیث بالمعنٰی روایت کرنا اس وقت غیر مقبول ہوتی ہے جب معنی میں خلل پیدا ہو، اور یہاں معنی میں کوئی خلل نہیں، کیونکہ جو گھر ہے، وہی قبر ہے، اور جو قبر ہے، وہی گھر ہے۔

فضل ربی:

اس کا کچھ حصہ میرا پہلا جواب تھا جسے میں نے معزز علمائے کرام کے درمیان پیش کرنے کی جسارت کی تھی۔

(۵) اور ابن تیمیہ کا یہ کہنا ''اسی وجہ سے آپ کے مقام تدفین کے بارے میں جب صحابہ کرام کے درمیان تنازع ہوا تو کسی بھی صحابی نے اس حدیث سے احتجاج نہیں کیا، اگر ان الفاظ کے ساتھ ان کے پاس حدیث ہوتی تو یہ قاطع نزاع ہوتی'' بجا نہیں، کیونکہ حضور ﷺ نے ((ما بین قبری)) کے بارے میں خبر دینے کے بعد اس کی تعیین اپنے اس فرمان عالی شان سے فرما دی تھی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((ما قبض نبی الا دفن حیث یقبض))

ترجمہ: ((ہر نبی کی اسی جگہ تدفین ہوتی ہے جہاں اس کی روح قبض کی جاتی ہے۔))

(سنن ابن ماجہ، رقم: ۱۶۲۸)

چناں چہ اس حدیث میں مقام تدفین کی تعیین کی وجہ سے صحابہ کرام کے درمیان جو اختلاف رونما ہوا ختم ہو گیا تھا، اور اسی حدیث کی وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو معلوم ہو گیا کہ حدیث ((ما بین قبری و منبری)) میں ((قبری)) سے مراد وہ جگہ ہے جہاں حضور ﷺ کی وفات ہوئی جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرۂ مقدسہ ہے۔

خلاصۂ کلام

(۱) ((ما بین قبری و منبری)) الفاظ کے ساتھ مروی بعض روایتیں صحیح الاسناد اور حسن الاسناد ہیں۔

(۲) حدیث ((ما بین قبری و منبری)) اور حدیث ((ما بین بیتی و منبری)) کے درمیان کوئی منافات نہیں، خواہ حدیث ((ما بین قبری و منبری)) کو معنیً روایت کرنے پر ہی کیوں نہ محمول کیا جائے، کیونکہ جو گھر ہے وہی قبر ہے اور جو قبر ہے وہی گھر ہے۔

(۳) صحیح اور حسن اسانید کے پیش نظر راجح یہی ہے کہ حضور ﷺ کو اپنی وفات اور وفات کی جگہ کا علم عطا کر دیا گیا تھا۔

(۴) ابن تیمیہ کا قول قابل التفات نہیں۔

(۵) صحیح یہی ہے کہ اس حدیث ((ما بین قبری و منبری)) کے الفاظ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔

فائدہ:

حدیث کا حکم بیان کرنے کے لیے عام طور سے تین طریقے رائج ہیں:

ایک یہ کہ حدیث پر موجود علمائے کرام کے اقوال کی روشنی میں ان کا حکم بیان کر دیا جائے۔

دوسرا یہ کہ خود باحث اپنی جہد و محنت سے حدیث کے ہر روای پر بحث کر کے حدیث کا حکم بیان کرے، یہ اس صورت میں ہے جب کہ ائمہ کرام نے اس حدیث پر صحت وضعف کے اعتبار سے حکم نہ لگایا ہو، اور یہ طریقہ سب سے زیادہ سخت ہے۔

تیسرا یہ کہ ائمہ کرام کے اقوال کو پیش نظر رکھتے ہوئے حدیث کے تمام راویوں پر علاحدہ علاحدہ کلام کیا جائے۔ جو پہلے طریقہ کے بہ نسبت سخت اور دوسرے طریقہ کے بہ نسبت سہل ہے۔ پھر اس کے بعد اس حدیث کا حکم بیان کیا جائے، میں نے تقریباً اپنے اس مقالہ میں دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے تا کہ تجربہ کر سکوں کہ میری بحث ائمہ کرام کے اقوال سے کس حد تک موافق ہے، نیز تا کہ دور حاضر میں حدیث اور علوم حدیث سے دل چسپی رکھنے والے اس دوسرے طریقہ کار سے بھی واقف ہو جائیں، اور اپنے اندر ملکہ پیدا کرنے کے لیے اس طرح حدیث پر کلام کرنے کی کوشش کریں، میں نے حدیث پر حکم لگانے کے طرق سے متعلق مختلف کتابیں پڑھی ہیں، اگر اللہ نے توفیق دی تو ان شاء اللہ ان پر مستقل مقالہ لکھوں گا۔

و ما توفیقی الا باللّٰہ علیہ توکلت و الیہ انیب، و الحمد للّٰہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات، و الصلاۃ و السلام علی سید المرسلین و علی آلہ و اصحابہ اجمعین.

مصادر

(۱) اسد الغابة لابن الاثیر (ت۶۳۰ھ) الناشر: دار الفکر، بیروت، عام النشر: ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹م

(۲) تاریخ ابن یونس المصری (ت ۳۴۷ھ) الناشر: دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة: الاولی، ۱۴۲۱ھ، عدد الاجزاء: ۲

(۳) تاریخ الاسلام للذهبی (ت ۷۴۸ھ) تحقیق: عمر عبد السلام الدمیری، الناشر: دار الکتاب العربی، بیروت، الطبعة: الثانیة، ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۳م، عدد الاجزاء: ۵۲

(۴) تاریخ بغداد للخطیب (ت۴۶۳ھ) تحقیق: الدکتور بشار عواد معروف، الناشر: دار الغرب الإسلامی، بیروت، الطبعة: الاولی، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۲م، عدد الاجزاء: ۱۶

(۵) تاریخ دمشق لابن عساکر (۵۷۱ھ) تحقیق: عمرو بن غرامة العمری، الناشر: دار الفکر، عام النشر: ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵م، عدد الاجزاء: ۸۰

(۶) التحفة اللطیفة فی تاریخ المدینة الشریفة للسخاوی (ت۹۰۲ھ) الناشر: دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان، الطبعة: الاولی، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳م، عدد الاجزاء: ۲

(۷) تقریب التهذیب لابن حجر العسقلانی (ت۸۵۲ھ) تحقیق: محمد عوامه، الناشر: دار الرشید، سوریا، الطبعة: الاولی، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶م، عدد الاجزاء: ۱

(۸) تهذیب الکمال فی اسماء الرجال للمزی (ت۷۴۲ھ) تحقیق: بشار عواد معروف، الناشر: مؤسسة الرسالة، بیروت، الطبعة: الاولی، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰م، عدد الاجزاء: ۳۵

(۹) تنویر الحوالک شرح موطا مالک للسیوطی (۹۱۱ھ) الناشر: المکتبة التجاریة الکبری، مصر، عام النشر: ۱۳۸۹/ ۱۹۶۹ھ

(۱۰) الثقات لابن حبان (ت۳۵۴ھ) الناشر: دائرة المعارف العثمانیة بحیدرآباد الدکن الهند، الطبعة: الاولی، ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳م

(۱۱) الجرح و التعدیل لابن ابی حاتم (ت ۳۲۷ھ) الناشر: دائرة المعارف العثمانیة بحیدر

آباد الدكن الهند، الطبعة:الاولى، الطبعة:الاولى،١٣٧١ھ/١٩٥٢م
(١٢) رفع المنارة لمحمود سعيد، المكتبة الازهرية للتراث،القاهرة، مصر
(١٣) السنة لابن ابى عاصم (ت٢٨٧ھ) تحقيق: محمد ناصر الدين الالبانى، الناشر: المكتب الاسلامى- بيروت، الطبعة الاولى:١٤٠٠ھ،عدد الاجزاء:٢
(١٤) شرح الزرقانى على الموطا (ت١١٢٢ھ)تحقيق: طه عبد الرء وف سعد، الناشر: مكتبة الثقافة الدينية، القاهرة، الطبعة:الاولى،١٤٢٤ھ/٢٠٠٣م
(١٥) شرح مشكل الآثار للطحاوى (ت٣٢١ھ)تحقيق: شعيب الارنؤوط، الناشر: مؤسسة الرسالة، الطبعة الاولى:١٤١٥ھ/١٤٩٤،عدد الاجزاء:١٦
(١٦) الشريعة للآجرى (ت٣٦٠ھ)تحقيق: اكثر عبد الله بن عمر الدميجى، الناشر: دار الوطن، الرياض، السعودية، الطبعة الثانية:١٤٢٠ھ/١٩٩٩
(١٧) شرح صحيح البخارى لابن البطال (ت٤٤٩ھ)تحقيق: ابو تميم ياسر بن ابراهيم، دار النشر: مكتبة الرشد، السعودية، الرياض، الطبعة:الثانية،١٤٢٣ھ/٢٠٠٣م
(١٨) العلل و معرفة الرجال لاحمد بن حنبل (ت٢٤١ھ)تحقيق: وصى الله بن محمد عباس، الناشر: دار الخانى، الرياض، الطبعة:الثانية،١٤٢٢ھ/٢٠٠١م،عدد الاجزاء:٣
(١٩) عمدة القارى شرح صحيح البخارى للعينى (ت٨٥٥ھ)الناشر: دار إحياء التراث العربى، بيروت، عدد الاجزاء:٢٥
(٢٠) فتح البارى لابن حجر (ت٨٥٢)الناشر: دار المعرفة، بيروت، ١٣٧٩ھ،ترقيم و تبويب: محمد فؤاد عبد الباقى، تعليق: عبد العزيز بن عبد الله بن باز، عدد الاجزاء:١٣
(٢١) فتح البارى لابن رجب (ت٧٩٥ھ)تحقيق: محمود شعبان و غيره، الناشر: مكتبة الغرباء الاثرية، المدينة المنورة،الطبعة:الاولى،١٤١٧ھ/١٩٩٦م
(٢٢) الكامل فى ضعفاء الرجال لابن عدى (ت٣٦٥ھ)تحقيق: عادل احمدو غيره، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة:الاولى،١٤١٨ھ/١٩٩٧م
(٢٣) مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المفاتيح لعلى القارى (ت١٠١٤ھ) الناشر: دار الفكر، بيروت، لبنان، الطبعة:الاولى،١٤٢٢ھ/٢٠٠٢م
(٢٤) مسند ابى يعلى الموصلى (ت٣٠٧ھ)تحقيق: حسين سليم اسد، الناشر: دار المامون للتراث، دمشق، الطبعة الاولى:١٤٠٤ھ/١٩٨٤م،عدد الاجزاء:١٣

(۲۵) مسند احمد بن حنبل (ت۲۴۱ھ) تحقیق: شعیب الارنؤوط و غیرہ، الناشر: مؤسسة الرسالة، الطبعة الاولی:۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱م

(۲۶) مسند البزار/ البحر الزخار (م۲۱۰،ت۲۹۲ھ) تحقیق: محفوظ الرحمن زین اللہ وغیرہ، الناشر: مکتبة العلوم و الحکم-المدینة المنورة، الطبعة الاولی: من ۱۹۸۸م الی ۲۰۰۹م، عدد الاجزاء:۱۸

(۲۷) مسند الحارث بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث (ت۲۸۲ھ) تحقیق حسن احمد صالح الباکری، الناشر: مرکز خدمة السنة و السیرة النبویة، المدینة المنورة، الطبعة الاولی:۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲م، عدد الاجزاء:۲

(۲۸) مسند الرویانی (ت ۳۰۷ھ) تحقیق: ایمن علی ابو یمانی، الناشر: مؤسسة قرطبه، القاهرة، الطبعة: الاولی:۱۴۱۶ھ

(۲۹) مصنف ابن ابی شیبة، (ت ۲۳۵ھ) تحقیق: کمال یوسف الحوت، الناشر: مکتبة الرشاد-الریاض، الطبعة الاولی:۱۴۰۹ھ، عدد الاجزاء:۷

(۳۰) معجم ابن الاعرابی (ت۳۴۰ھ) تحقیق و تخریج: عبد المحسن بن إبراهيم، الناشر: دار ابن الجوزی، المملکة العربیة السعودیة، الطبعة الاولی:۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷م

(۳۱) المعجم الاوسط للطبرانی (ت۳۶۰ھ) تحقیق: طارق بن عوض و غیرہ، الناشر: دار الحرمین، القاهرة

(۳۲) المعجم الکبیر للطبرانی، تحقیق: حمدی بن عبد المجید، دار النشر: مکتبة ابن تیمیة، القاهرة، الطبعة: الثانیة، عدد الاجزاء:۲۵

(۳۳) المغنی فی الضعفاء للذهبی (ت۷۴۸ھ) تحقیق: نور الدین عتر

(۳۴) المؤتلف و المختلف للدارقطنی (ت۳۸۵ھ) تحقیق: موفق بن عبد اللہ، الناشر: دار الغرب الإسلامی، بیروت، الطبعة: الاولی، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶م، عدد الاجزاء:۵



مضمون ''بابا رتن ہندی بحیثیت صحابی رسول'' آخری قسط کا منصفانہ جائزہ

ایک مہینہ قبل ایک ساتھی کی زبانی یہ سننے کو ملا کہ ہندوستان کے کسی ماہ نامہ میں بابا رتن ہندی کو جس کی وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی' صحابی ثابت کیا گیا ہے، سن کر بڑا تعجب ہوا، کیوں کہ ہم حدیث اور علوم حدیث کی کتابوں میں یہی پڑھتے آئے ہیں کہ آخری صحابی رسول ﷺ ابوطفیل عامر بن واثلہ لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی، اس جدید تحقیق نے میرے دل میں یہ اشتیاق پیدا کیا کہ ضرور اس مضمون کا مطالعہ کیا جائے، پھر کچھ دنوں بعد مولانا شاہد رام پوری ازہری کے ذریعہ ماہ نامہ ''کنز الایمان'' دست یاب ہوا ساتھ ہی اس بات سے باخبر کیا کہ اسی ماہ نامہ میں مضمون ''بابا رتن ہندی بہ حیثیت صحابی رسول'' شائع ہوا ہے، تو میں نے اوّلاً اسی مضمون کا مطالعہ شروع کیا اور جب میں اختتام کو پہنچا تو یہ احساس ہوا کہ یہ مضمون یقینی طور پر کافی محنت اور ورق گردانی کے بعد منظر عام پر آیا ہے جس کی عکاسی حوالہ جات کر رہے ہیں، مگر میرا دل اس جدید تحقیق پر مطمئن نہ ہو سکا اور ہو بھی کیسے سکتا تھا اس لئے کہ اکابر علمائے حدیث کی آرا و تحریریں اس مضمون کے برخلاف تھیں، تو میں نے ضروری سمجھا کہ ان حضرات کی آرا کو دلائل سے مزین کر کے حقیقت کو قارئین پر آشکارا کروں۔

اس میں دو رائے نہیں کہ مضمون ''بابا رتن ہندی بہ حیثیت صحابی رسول'' کسی کے صحابی ہونے اور نہ ہونے کے ساتھ ساتھ اصول حدیث اور متن حدیث پر مشتمل ہے مگر مضمون میں متن پر زیادہ زور ہے اور تقریباً اصول حدیث سے بے اعتنائی برتی گئی ہے۔ متن حدیث صحیح ہے یا نہیں، اور جرح و تعدیل کب معتبر ہے کب نہیں، جرح کرنے والا اگر مجرح کا

معاصر ہو تو اس کا کیا اثر پڑے گا، خاص طور سے جب کہ آپس میں کوئی چپقلش یا حسد کی بو آتی ہو، یا یہ کہ جارح بعض مسائل میں اختلاف کی وجہ سے افراط وتفریط کا شکار ہو، ان کے علاوہ اور بہت ساری چیزیں ہیں جن کے حل کے لئے علمائے حدیث اور ان کے اقوال کی طرف لازماً رجوع کرنا چاہئے جنھوں نے بہت ہی شرح وبسط کے ساتھ علم حدیث کے اصول وقواعد کو واضح کر دیا ہے، اور کبھی بھی کسی شخص کی جرح وقدح کے لئے فقط ایک عالم کے قول پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے ورنہ کبھی بھی علم حدیث خاص کر علم رجال میں حق واضح نہ ہو سکے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس طرح کے مسائل کو حل کرنے کے لئے ان کی بارگاہ عالی میں زانوئے ادب تہ کیا جائے، تاکہ صحیح ڈھنگ سے مرض کا تعین ہو اور اس کے مطابق دوا کا انتخاب کر کے بہتر طریقہ سے علاج کیا جا سکے۔ انہیں جہابذۂ حدیث کے اقوال وقوانین کی روشنی میں ''بابا رتن ہندی بحیثیت صحابی رسول'' کی آخری قسط پر کچھ معروضات پیش خدمت ہیں۔

ہمارے معروضات دو حصوں پر مشتمل ہیں پہلا حصہ رد جس میں ہم مقالہ نگار کے دلائل کا جائزہ لیں گے، اور دوسرا حصہ اثبات، جس میں 'حدیث عمر الامۃ' کا صحیح مفہوم اور بابا رتن ہندی کے کذاب ہونے کو اقوال علمائے حدیث کی روشنی میں پائے ثبوت تک پہنچائیں گے، اور واضح کریں گے کہ محدثین کرام نے جو سمجھا ہے وہی صحیح ہے، نہ کہ وہ جو مقالہ نگار نے زبردستی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

مقالہ نگار کی دلائل کا علمی جائزہ

صاحب مقالہ بعض علما جنھوں نے بابا رتن ہندی کے صحابی ہونے کا انکار کیا ہے ان کے حوالہ جات نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''لیکن ان میں سے کسی کا قول مضبوط نہیں کہ لگ بھگ سب کی بنیاد امام ذہبی کے قول پر ہے اور سب کی بات میں تزلزل ہے۔''

صاحب مقالہ نے میری سمجھ سے بابا رتن ہندی کو صحابی ثابت کرنے کے لئے اپنے

مقالے میں پانچ دلیلیں پیش کی ہیں، شاید انھیں دلیلوں پر توکل کر کے مذکورہ بالا قول کرنے کی جرات کی ہے۔

(الف) بابا رتن ہندی کی صحابیت کا انکار کرنے والے امام ذہبی رحمہ اللہ ہیں اور باقی علماء اس معاملے میں ان کے متبع ہیں اور امام ابن سبکی نے ان پر بہت لعن وطعن کر کے تشنیع و تحقیر میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، یہاں تک فرمادیا:

لا یعتمد علیه، و لا ینبغی ان یؤخذ من قوله۔

کیونکہ وہ اہل سنت کے متعلق کلام کرنے میں بہت افراط وتفریط سے کام لیتے تھے لہٰذا جب اتنے بڑے عالم نے کہہ دیا تو اب ان کے قول کا اعتبار نہیں، لہٰذا ان کی اتباع کرنے والے دیگر علما کا بھی اعتبار نہیں۔

(ب) اولیا وابدال بابا رتن ہندی کے صحابیت کی تصدیق کر چکے ہیں، لہٰذا تنہا ایک امام ذہبی رحمہ اللہ کے قول کو ان کی تصحیح پر کیسے ترجیح دیا جاسکتا ہے؟

(ت) چند صحابیوں کی درازیِ عمر کے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"یہ تمام حضرات حجاز مقدس سے باہر تھے اس لئے اس حدیث سے ان پر کوئی اعتراض نہیں پڑے گا، اسی طرح بابا رتن ہندی بھی عہد رسالت ہی میں ہندوستان چلے آئے تھے، اس لیے آپ بھی قید سے باہر سمجھے جائیں گے۔"

(ث) 'پھر اگر درازیِ عمر ہی پر اعتراض ہو تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر تقریباً تین سو سال ہوئی تھی...... یہ تمام حضرات حجاز مقدس سے باہر تھے اس لئے اس حدیث شریف سے ان پر کوئی اعتراض نہیں پڑے گا، اسی طرح بابا رتن ہندی بھی عہد رسالت ہی میں ہندوستان چلے آئے تھے، اس لیے آپ بھی قید صدی سے باہر سمجھے جائیں گے۔"

(ج) "اور اگر کوئی بضد ہو اور حدیث کو عموم پر ہی محمول کرتا ہو تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے بابا رتن ہندی کی درازیِ عمر کے لئے چھ مرتبہ دعا فرمائی، ہر بار میں سو سال کی آپ کو عمر ملی۔"

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] رحمہ اللہ [illegible] امام ذہبی رحمہ اللہ [illegible] میں [illegible]
[illegible] اور [illegible] صفات بری [illegible] وغیرہ کے
[illegible] امام [illegible] رحمہ اللہ [illegible] امام ذہبی رحمہ اللہ
[illegible] امام ابو محمد عبد اللہ بن وہب [illegible] "المبسوطۃ" میں
[illegible] کہ [illegible]

"انہ لا یجوز شہادۃ القاری علی القاری یعنی العلماء لانہم اشد الناس تحاسدا او تباغضا، و قالہ سفیان الثوری و مالک بن دینار۔"

[illegible] ایک عالم کی دوسرے عالم کے خلاف گواہی معتبر نہیں، کیونکہ ان کے اندر بغض [illegible] بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ اور اسی کے قائل سفیان ثوری اور مالک بن دینار رحمہم اللہ بھی ہیں۔

(قاعدۃ فی الجرح و التعدیل لابن السبکی من اربع رسائل فی علوم الحدیث، ص۲۱،۲۲)

یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہم عصر کی جرح ایک دوسرے کے حق میں قابل قبول نہیں

ہوگی۔ محدث کبیر ابو غدۃ حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اسی کو علمائے متاخرین یوں فرماتے ہیں:

لا يسمع كلام الاقران بعضهم في بعض''

(حاشية قاعدة في الجرح و التعديل لابن السبكي من اربع رسائل في علوم الحديث، ص۲۱،۲۲)

اور امام ابو الحسنات عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر کوئی عالم جرح عداوت یا تعصب یا نفرت کی وجہ سے کرے تو اس کی جرح غیر قابل قبول بلکہ مردود ہوگی۔''

پھر مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''و لهذا: لم يقبل قول الامام مالك في 'محمد بن اسحاق' صاحب المغازي: انه دجال من الدجاجلة لما علم انه صدر من منافرة باهرة''

ترجمہ: اس لئے امام امالک رحمہ اللہ کا قول ''محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کے بارے میں قبول نہیں کیا گیا کہ وہ دجالوں میں سے ایک دجال ہے کیونکہ انہوں نے ان کے حق میں شدید نفرت کی وجہ سے ایسا کلام کیا ہے۔

(الرفع و التكميل في الجرح و التعديل للكنوي، ص۴۰۹،۴۱۰،۴۱۱)

پھر مزید کچھ مثالیں دینے کے بعد فرماتے ہیں:

''و من ثم قالوا: لا يقبل جرح المعاصر على المعاصر اى اذا كان بلا حجة لان المعاصرة تفضى غالبا الى المنافرة۔''

ترجمہ: ائمہ حدیث فرماتے ہیں: معاصر کی معاصر کے خلاف جرح قبول نہیں کی جائے گی جب کہ بغیر دلیل کے ہو، کیوں کہ معاصرت عموماً نفرت کا باعث بنتی ہے۔(الرفع و التكميل في الجرح و التعديل للكنوي، ص۴۱۵)

معاصرت اور ان دونوں کے درمیان صفات باری تعالیٰ کے تعلق سے شدید اختلاف کی وجہ سے ہی امام ابن سبکی رحمہ اللہ کے نقد کو علمائے کرام نے رد کر دیا، یا یہ کہ کر غیر مقبول

قرار دے یا کہ امام ابن سبکی رحمہ اللہ نے جس تعصب اور بے جا نقد کو امام ذہبی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر کے ان کو غیر معتبر بنانے کی کوشش کی ہے وہ خود بھی اسی بلا میں ملوث ہیں؛ بلکہ ان سے دو چار ہاتھ آگے ہی ہیں۔ چناں چہ امام صنعانی رحمہ اللہ صاحب ''سبل السلام'' اپنی کتاب ''توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار'' میں ان کے قول پر تعقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''قلت لا يخفى ان ابن السبكى شافعى حاد اشعرى وان الذهبى امام كبير الشان ، حنبلى الاعتقاد ، شافعى الفروع و بين هاتين الطائفتين الحنابلة والاشعرية فى العقائد :فى الصفات و غيرها تنافر كلى فلايقبل السبكى على الذهبى بعين ما قاله فيه...... فلم يبقى للباحث طمانينة الى قول احد بعد قول ابن السبكى:انه لا يقبل الذهبى فى مدح حنبلى و لا ذم اشعرى وقد صار الناس عالة على الذهبى و كتبه، و لكن الحق انه لا يقبل على الذهبى ابن السبكى لما ذكره هو، ولما ذكره الذهبى من انه لا يقبل الاقران بعضهم على بعض''

ترجمہ: واضح ہے کہ ابن سبکی رحمہ اللہ شافعی ہونے کے ساتھ متشدد اشعری ہیں اور ذہبی رحمہ اللہ بڑے امام، اعتقاد میں حنبلی ہیں اور فروعیات میں شافعی کی پیروی کرتے ہیں، اور ان دونوں جماعتوں کے درمیان خدا کی صفات وغیرہ میں اعتقاد کے تعلق سے پورے طور سے بعد ہے...... امام ابن سبکی رحمہ اللہ کا امام ذہبی رحمہ اللہ کے بارے میں ایسا قول کرنے کے بعد کہ: امام ذہبی کا قول کسی حنبلی کی تعریف یا کسی اشعری کی مذمت میں قبول نہیں کیا جائے گا، کوئی معتبر آدمی نہیں رہ گیا کہ جس کی طرف باحث رجوع کر کے اپنے دل کو اطمینان بخشے، اور حال یہ ہے کہ لوگ امام ذہبی اور ان کی کتابوں پر پورا اعتماد کرنے لگے ہیں، بہر حال حق یہ ہے کہ: خود امام سبکی رحمہ اللہ کے قاعدہ کی بنیاد پر ان کی جرح اور امام ذہبی رحمہ اللہ کے اصول کی بنا پر کہ معاصر کی جرح ایک دوسرے

کے خلاف معتبر نہیں، امام ذہبی رحمہ اللہ کے خلاف قابل قبول نہ ہوگی۔

(حاشیة قاعدة المؤرخین لابن السبکی من اربع رسائل فی علوم الحدیث،ص۷۸)

امام سخاوی رحمہ اللہ امام سبکی رحمہ اللہ کے نقد کو امام ذہبی کے بارے میں ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فالذی نسب الذھبی لذلك ھو تلمیذہ التاج السبکی وھو علی تقدیر تسلیمه،انما ھو فی افراد مما وقع التاج السبکی اقبح منه۔"

ترجمہ: جس افراط وتفریط کی طرف امام سبکی نے اپنے شیخ کو منسوب کیا ہے اگر اس کو تسلیم بھی کرلیا جائے ،تو وہ تو خود بھی بعض افراد کے بارے میں افراط وتفریط کے شکار ہوئے ہیں جو ان سے زیادہ قبیح ہے۔

(الاعلان بالتوبیخ للسخاوی، ص۱۰۱)

اس کی مثالیں مذکورہ کتاب میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

قاضی شوکانی امام سبکی رحمہ اللہ پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"و من جملة ما قاله السبکی فی الحافظ الذھبی: انه کان اذا اخذ القلم غضب حتی لا یدری مایقول و ھذا باطل، فمصنفاته تشھد بخلاف ھذه المقالة، و غالیھا الانصاف والذب عن الافاضل و اذ جری قلمه با لو قیعة فی احد، فان لم یکن من معاصریه فھو انما روی ذلك عن غیرہ، وان کان من معاصریه فالغالب انه لا یفعل ذلك الا مع من یستحقه وان وقع ما یخالف ذلك نادرا فھذا شان البشر وکل احد یوخذ من قوله و یترك الا المعصوم، والا ھویة تختلف ،والمقاصد تتباین وربك یحکم بینھم فیما کانوا فیه یختلفون۔"

ترجمہ: اور امام سبکی رحمہ اللہ کی تنقید میں سے امام ذہبی رحمہ اللہ پر یہ بھی ہے: امام ذہبی

پھر حدیث ذکر کی: 'وقال لی عند خروجی....الخ'
آیئے دیکھتے ہیں ان کی مذکورہ بالا بنیادوں میں کتنا قرار اور کتنا تزلزل ہے۔

پہلی دلیل:

پہلی دلیل کتنی کم زور اور ناقص ہے، مندرجہ ذیل نکات کی روشنی میں ان شاء اللہ واضح ہو جائے گا، اور یہ بھی روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا کہ امام ابن سبکی رحمہ اللہ کی جرح و نقد امام ذہبی رحمہ اللہ کے قول کے انحطاط کا باعث نہیں بن سکتا، لہٰذا وہ معتمد علیہ ہوں گے، ملاحظہ فرمائیں:

پہلا نکتہ:

امام ابن سبکی رحمہ اللہ کی جرح ونقد کا اعتبار امام ذہبی رحمہ اللہ کے حق میں مقبول نہیں ہوگا۔ کیوں کہ اگر چہ دونوں کے درمیان استاذ اور شاگردی کا رشتہ ہے مگر چوں کہ دونوں ایک دوسرے کے معاصر ہیں اور ساتھ ساتھ ان کے درمیان صفات باری تعالیٰ وغیرہ کے مسئلہ میں سخت اختلاف بھی ہے، اس لیے امام ابن سبکی رحمہ اللہ کی جرح امام ذہبی رحمہ اللہ کے بارے میں معتبر نہیں ہوگی۔ امام ابو محمد عبداللہ بن وہب قرشی "المبسوطة" میں فرماتے ہیں:

"انه لا یجوز شهادة القاری علی القاری۔ یعنی العلماء۔ لانهم اشد الناس تحاسد او تباغضا، و قاله سفیان الثوری و مالك بن دینار۔"

ترجمہ: ایک عالم کی دوسرے عالم کے خلاف گواہی معتبر نہیں، کیونکہ ان کے اندر بغض وحسد بہت زیادہ پایا جاتا ہے، اور اسی کے قائل سفیان ثوری اور مالک بن دینار رحمہما اللہ بھی ہیں۔

(قاعدة فی الجرح و التعدیل لابن السبکی من اربع رسائل فی علوم الحدیث، ص۲۱،۲۲)

یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہم عصر کی جرح ایک دوسرے کے حق میں قابل قبول نہیں

ہوگی۔ محدث کبیر ابو غدۃ حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اسی کو علمائے متاخرین یوں فرماتے ہیں:

لا یسمع کلام الاقران بعضهم فی بعض''

(حاشیة قاعدة فی الجرح و التعدیل لابن السبکی من اربع رسائل فی علوم الحدیث، ص۲۱،۲۲)

اور امام ابو الحسنات عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر کوئی عالم جرح عداوت یا تعصب یا نفرت کی وجہ سے کرے تو اس کی جرح غیر قابل قبول بلکہ مردود ہوگی۔''

پھر مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''و لهذا: لم یقبل قول الامام مالك فی 'محمد بن اسحاق' صاحب المغازی: انه دجال من الدجاجلة لما علم انه صدر من منافرة باهرة''

ترجمہ: اس لئے امام مالک رحمہ اللہ کا قول ''محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کے بارے میں قبول نہیں کیا گیا کہ وہ دجالوں میں سے ایک دجال ہے کیونکہ انہوں نے ان کے حق میں شدید نفرت کی وجہ سے ایسا کلام کیا ہے۔

(الرفع و التکمیل فی الجرح و التعدیل للکنوی، ص۴۰۹،۴۱۰،۴۱۱)

پھر مزید کچھ مثالیں دینے کے بعد فرماتے ہیں:

''و من ثم قالوا: لا یقبل جرح المعاصر علی المعاصر ای اذا کان بلا حجة لان المعاصرة تفضی غالبا الی المنافرة۔''

ترجمہ: ائمہ حدیث فرماتے ہیں: معاصر کی معاصر کے خلاف جرح قبول نہیں کی جائے گی جب کہ بغیر دلیل کے ہو، کیوں کہ معاصرت عموماً نفرت کا باعث بنتی ہے۔(الرفع و التکمیل فی الجرح و التعدیل للکنوی، ص۴۱۵)

معاصرت اور ان دونوں کے درمیان صفات باری تعالیٰ کے تعلق سے شدید اختلاف کی وجہ سے ہی امام ابن سبکی رحمہ اللہ کے نقد کو علمائے کرام نے رد کر دیا، یا یہ کہ کر غیر مقبول

قرار دے یا کہ امام ابن سبکی رحمہ اللہ نے جس تعصب اور بے جا نقد کو امام ذہبی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرکے ان کو غیر معتبر بنانے کی کوشش کی ہے وہ خود بھی اسی بلا میں ملوث ہیں؛ بلکہ ان سے دو چار ہاتھ آگے ہی ہیں۔ چناں چہ امام صنعانی رحمہ اللہ صاحب ''سبل السلام'' اپنی کتاب ''توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار'' میں ان کے قول پر تعقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''قلت لا يخفى ان ابن السبكى شافعى حاد اشعرى وان الذهبى امام كبير الشان ، حنبلى الاعتقاد ، شافعى الفروع و بين هاتين الطائفتين الحنابلة والاشعرية فى العقائد :فى الصفات و غيرها تنافر كلى فلايقبل السبكى على الذهبى بعين ما قاله فيه...... فلم يبقى للباحث طمانينة الى قول احد بعد قول ابن السبكى:انه لا يقبل الذهبى فى مدح حنبلى و لا ذم اشعرى وقد صار الناس عالة على الذهبى و كتبه، و لكن الحق انه لا يقبل على الذهبى ابن السبكى لما ذكره هو، ولما ذكره الذهبى من انه لا يقبل الاقران بعضهم على بعض''

ترجمہ: واضح ہے کہ ابن سبکی رحمہ اللہ شافعی ہونے کے ساتھ متشدد اشعری ہیں اور ذہبی رحمہ اللہ بڑے امام، اعتقاد میں حنبلی ہیں اور فروعیات میں شافعی کی پیروی کرتے ہیں، اور ان دونوں جماعتوں کے درمیان خدا کی صفات وغیرہ میں اعتقاد کے تعلق سے پورے طور سے بعد ہے...... امام ابن سبکی رحمہ اللہ کا امام ذہبی رحمہ اللہ کے بارے میں ایسا قول کرنے کے بعد کہ: امام ذہبی کا قول کسی حنبلی کی تعریف یا کسی اشعری کی مذمت میں قبول نہیں کیا جائے گا، کوئی معتبر آدمی نہیں رہ گیا کہ جس کی طرف باحث رجوع کرکے اپنے دل کو اطمینان بخشے، اور حال یہ ہے کہ لوگ امام ذہبی اور ان کی کتابوں پر پورا اعتماد کرنے لگے ہیں، بہر حال حق یہ ہے کہ: خود امام سبکی رحمہ اللہ کے قائدہ کی بنیاد پر ان کی جرح اور امام ذہبی رحمہ اللہ کے اصول کی بنا پر کہ معاصر کی جرح ایک دوسرے

کے خلاف معتبر نہیں، امام ذہبی رحمہ اللہ کے خلاف قابل قبول نہ ہوگی۔
(حاشیۃ قاعدۃ المؤرخین لابن السبکی من اربع رسائل فی علوم الحدیث، ص۷۸)

امام سخاوی رحمہ اللہ امام سبکی رحمہ اللہ کے نقد کو امام ذہبی کے بارے میں ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فالذی نسب الذهبی لذلك هو تلميذه التاج السبكی وهو علی تقدير تسليمه، انما هو فی افراد مما وقع التاج السبكی اقبح منه۔"

ترجمہ: جس افراط وتفریط کی طرف امام سبکی نے اپنے شیخ کو منسوب کیا ہے اگر اس کو تسلیم بھی کرلیا جائے، تو وہ تو خود بھی بعض افراد کے بارے میں افراط وتفریط کے شکار ہوئے ہیں جو ان سے زیادہ قبیح ہے۔
(الاعلان بالتوبیخ للسخاوی، ص۱۰۱)

اس کی مثالیں مذکورہ کتاب میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

قاضی شوکانی امام سبکی رحمہ اللہ پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"و من جملة ما قاله السبكی فی الحافظ الذهبی: انه كان اذا اخذ القلم غضب حتی لا يدری مايقول و هذا باطل، فمصنفاته تشهد بخلاف هذه المقالة، و غاليها الانصاف والذب عن الافاضل و اذ جری قلمه با لو قيعة فی احد، فان لم يكن من معاصريه فهو انما روی ذلك عن غيره، وان كان من معاصريه فالغالب انه لا يفعل ذلك الا مع من يستحقه وان وقع ما يخالف ذلك نادرا فهذا شان البشر وكل احد يوخذ من قوله و يترك الا المعصوم، والا هوية تختلف ،والمقاصد تتباين وربك يحكم بينهم فيما كانوا فيه يختلفون۔"

ترجمہ: اور امام سبکی رحمہ اللہ کی تنقید میں سے امام ذہبی رحمہ اللہ پر یہ بھی ہے: امام ذہبی

رحمہ اللہ جب لکھنے کا ارادہ کرتے تو غصہ میں آجاتے اور کیا لکھتے وہ خود نہیں سمجھ پاتے تھے۔ یہ قول باطل ہے، جس کے بطلان پر ان کی کتابیں شاہد عادل ہیں، ان کی کتاب کا اکثر حصہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ علماء کے حق میں انصاف سے کام لیتے تھے اور ان سے خرابیوں کو دور کرتے تھے، اور اگر ان کا قلم کسی کے بارے میں نقد کے لئے اٹھا اور خطا واقع ہوئی تو وہ ان کا ہم عصر نہیں ہوگا اور دوسرں کا قول ان کے بارے میں ذکر کرنے کی وجہ سے ایسا ہوا، اور اگر ان کے معاصر میں سے ہے تو نقد کرنے کے لئے انہیں پر قلم اٹھایا اور وہی لکھا جس کا وہ مستحق تھا، اور اگر کبھی غلطی سے خلاف حق جرح ہوگئی تو یہ تو بشر کی فطرت سے ہے، اور معصوم کے سوا ہر شخص کے بعض قول لئے جاتے ہیں اور بعض چھوڑ دیے جاتے ہیں، اور خواہشات ہر ایک کی مختلف ہوتی ہیں اور تمہارا رب ان کے اختلاف کا فیصلہ کرے گا۔

(البدر الطالع للشوکانی، ج۲ص۱۱۱)

اور دوسری جگہ امام سخاوی فرماتے ہیں:

"بالغ السبکی فی کلامه مع ان الذهبی عمدته فی جل التراجم و کونه هو -ای السبکی- قدزاد التعصب علی الحنابلة کما اسلفته فشارکه فیما زعمه من التعصب و دعوی الغیبة۔"

ترجمہ: امام سبکی رحمہ اللہ نے امام ذہبی رحمہ اللہ پر نقد کرنے میں مبالغہ کیا ہے، حالانکہ وہ اکثر تراجم میں عمدہ ہیں، اور ابن سبکی تو خود حنابلہ کے ساتھ تعصب سے پیش آئے ہیں، لہٰذا امام ذہبی کے بارے میں تعصب اور بے جا نقد کا دعوی کرتے کرتے خود اس میں گرفتار ہو گئے۔ (الاعلان بالتوبیخ للسخاوی، ص۱۳۵)

دوسرا نکتہ:

اور اگر بر سبیل تنزل یہ مان لیا جائے کہ امام سبکی رحمہ اللہ کی نقد و جرح امام ذہبی رحمہ

اللہ کے حق میں معتبر ہے، اگر چہ وہ ایک دوسرے کے معاصر ہیں اور بعض مسائل میں سخت اختلاف بھی رکھتے ہیں، اس صورت میں بھی جب ہم ان کے اقوال کی طرف نظر کرتے ہیں تو یہ واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے کہ امام سبکی رحمہ اللہ کی جرح وقدح کو دلیل بنا کر امام ذہبی رحمہ اللہ کے قول کو رد کرنا اور پھر بابا رتن ہندی کو صحابی ثابت کرنے کی کوشش کرنا درست نہیں، کیونکہ یہ جرح وقدح صرف اہل سنت وصوفیا کے ساتھ خاص ہے اور یہ مسئلہ نہ تو اہل سنت سے تعلق رکھتا ہے اور نہ ہی صوفیاء کے ارد گرد گھومتا ہے بلکہ یہ مسئلہ تو کسی کے صحابی ہونے اور نہ ہونے پر ہے۔ جس میں کسی فریق کی وجہ سے کسی کے صحابی ہونے کا انکار کرنا خطرے سے خالی نہیں اور ایسی امید ایسے امام علم وفن سے نہیں کی جاسکتی۔

امام ابن سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"له علم و ديانة، و عند ه علٰى اهل السنة تحامل مفرط فلا يجوز ان يعتمد عليه۔" (قاعدة فی الجرح و التعديل، ص۴۲)

ترجمہ: اگرچہ امام ذہبی رحمہ اللہ کا علم اور ان کی دیانت داری مسلم ہے مگر ساتھ ہی ان کے کلام میں اہل سنت پر زیادتی بھی موجود ہے اس لئے ان کی جرح وتعدیل پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"و اما تاريخ شيخنا الذهبى غفرالله له ۔ فانه على حسنه و جمعه۔ مشحون بالتعصب المفرط لا و اخذه اللّٰه، فقد اكثر الوقيعة فى اهل الدين، اعنى الفقراء الذين هم صفوة الخلق...... الخ"

ترجمہ: اور ہمارے شیخ امام ذہبی رحمہ اللہ کی "تاریخ الاسلام" اگرچہ عمدہ کتاب ہے مگر وہ کتاب بے جا تعصب سے بھری پڑی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے انہوں نے صوفیہ کرام جو صفوۃ الخلق ہیں ان پر بہت بے جا نقد کیا ہے۔

(قاعدة المؤرخين لابن السبكی، من اربع رسائل فی علوم الحديث، ص۲۶)

اور تیسرے مقام پر فرماتے ہیں:

"و الذی افتی به انه لا یجوز الاعتماد علی کلام شیخنا الذهنی فی ذم الاشعری و لا شکر حنبلی و الله المستعان۔"

ترجمہ: اور فتویٰ یہ ہے کہ جب ہمارے شیخ امام ذہبی رحمہ اللہ کا کلام کسی اشعری کی مذمت یا کسی حنبلی کی تعریف میں ہو تو ان کے کلام پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔

(قاعدة المورخین لابن السبکی من اربع رسائل فی علوم الحدیث، ص۷۷)

اور اگر ان اقوال سے استدلال درست مان بھی لیا جائے اور مذکورہ مسئلہ کو اہل سنت کا مسئلہ قرار دے دیا جائے پھر بھی اگر ہم ان کے اقوال کی طرف غائرانہ نظر ڈالتے ہیں اور پھر امام ذہبی رحمہ اللہ کے مصنفات کی طرف نظر کرتے ہیں تو حقیقت ان کے اقوال۔ جن کو وہ جرح سمجھتے ہیں۔ کے خلاف نظر آتی ہے۔ آخر ان تینوں اقوال کا نچوڑ یہی ہے کہ امام ذہبی رحمہ اللہ اہل سنت، صوفیا کرام پر کلام کر کے ان پر حد سے زیادہ شدت برتی ہے، لہٰذا ان کا قول [illegible] ہوگا۔ حالانکہ یہ حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ امام ہی نیک اور متقی آدمی تھے، صوفیہ اور صلحا سے محبت رکھتے تھے، ان کے محبت کی دلیل یہ ہے کہ اگر چہ انہیں بعض صوفیہ کے افعال پر اعتراض ہوتا مگر وہ ان کے بارے میں حسن ظن کا حکم دیا کرتے تھے۔

چناں چہ جب صوفی شیخ ابن فارض کا ترجمہ لکھا، اس وقت فرمایا:

"حدث عن القاسم بن عساکر ینعق بالاتحادالصریح فی شعره و هذه بلیة عظیمة فتدبر نظمه و لا تستعجل ولکن حسن الظن بالصوفیة۔"

ترجمہ: ابن عساکر سے روایت کی گئی ہے کہ وہ یعنی (ابن فارض) اپنے شعر میں صریح اتحاد کا ذکر کرتے ہیں اور یہ بلائے عظیم ہے، تو پہلے ان کے اشعار کو غور سے پڑھو اور حکم لگانے میں جلدی نہ کرو بلکہ صوفیہ کرام کے تعلق سے حسن ظن رکھو۔

(میزان الاعتدال للذهبی، ج۳ص۲۱۴)

اور ان کے اہل سنت و جماعت اور صوفیہ کرام سے محبت کی دلیل یہ بھی ہے کہ ان کی

کتابوں میں صوفیا کرام اور صلحا کا ذکر بہت بہتر طریقہ سے ہے ان کی جا بجا امام ذہبی رحمہ اللہ تعریف و توصیف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، ان کی کرامت اور خوابوں کا ذکر کرتے ہیں، ان حضرات کے ذکر خیر سے ان کی کتابیں مملو ہیں یہ یقیناً ان کے صلاح قلب اور دین حق میں خیر خواہی کی دلیل ہے۔

ان کی محبت کو صوفیہ اور اہل سنت سے آشکارا کرنے کے لئے اور ان سے تعصب کی تہمت اتارنے کے لئے مثال کے طور پر مندرجہ ذیل زاہدوں اور صلحا کے تراجم دیکھنا ضروری ہے جن کے بارے میں امام ذہبی رحمہ اللہ شرح و بسط کے ساتھ ترجمہ لکھ کر ان سے اپنی محبت والفت کا اظہار کیا ہے:

(ا) عظیم تابعی اویس قرنی یمانی رحمہ اللہ

(تاریخ الاسلام للذهبي، ج۲ص۳ ۱۷۵۱۷،سیر اعلام النبلاء للذهبي، ج۴ص۱۹ ۳۳)

(ب) تابعی جلیل ابو مسلم خولانی، دارانی، دمشقی رحمہ اللہ

(تاريخ الاسلام للذهبي، ج۲ص۲ ۲۹۸۲۹،سیر اعلام النبلاء للذهبي، ج۴ص۱۴۷)

(ج) جلیل تابعی محمد بن واسع بصری رحمہ اللہ تعالیٰ

(تاریخ الاسلام للذهبي، ج۵ص۹ ۲۶۲۲۵،سیر اعلام النبلاء للذهبي، ج۶ص۱۹ ۱۲۳۱۱)

ان کے علاوہ اور بہت سارے تابعین کرام اور بعد کے صوفیا کرام کا طویل ذکر ان کی مذکورہ دونوں کتابوں میں ملے گا خاص کر جب دوسرے تراجم کی طرف نسبت کر کے دیکھا جائے تو یقیناً صوفیہ کرام کے مناقب اور اولیائے کرام کی کرامات ذکر کرنے میں امام ذہبی رحمہ اللہ کو فوقیت حاصل ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ ان کے تراجم میں تشدد کرتے تھے صحیح نہیں۔

تیسرا نکتہ:

اگر مزید تنزلی کی جائے اور مان لیا جائے کہ آپ کے مطابق ان کی جرح معتبر ہے اور ان کی دلائل واقوال بھی ذہبی رحمہ اللہ کے بارے میں بالکل صحیح اور واقع کے مطابق ہے، تو پھر غور کرنے کی ضرورت ہے کیا صرف ایک یا دو مجرح کی وجہ سے ان کے قول کو رد کر دیا

جائے گا اگر چہ ان کی توثیق وتوصیف میں علماء ومحدثین کی ایک طویل فہرست ہو، یقیناً ایسا نہیں ہوگا بلکہ جمہور کا قول لیا جائے گا کیونکہ یہ اصول حدیث کے موافق ہے خاص طور سے جبکہ مجرح کی دلیل مضبوط نہ ہو۔

ہمارے استاذ محترم رضا بن زکریا بن محمد دام ظلہ فرماتے ہیں:

"ان کان عدد المعدلین اکثر قدم التعدیل لان کثرة المعدلین تقوی حالهم وقلة الجارحین تضعف خیرهم (ای یقدم الاکثر عددا)۔"

ترجمہ: اگر معدلین کی تعداد زیادہ ہوتو ان کو مجرحین پر مقدم رکھا جائے گا کیونکہ ان کا زیادہ ہونا ان کی حالت کو تقویت بخشتا ہے اور مجرحین کا کم ہونا ان کی خبر کو ضعف کی طرف لے جاتا ہے۔

(الارشاد الٰی کیفیة دراسة الاسناد لرضا زکریا، ص۱۷۷)

اور اگر تھوڑا غور کیا جائے تو خود امام ابن سبکی رحمہ اللہ کا قاعدہ اس بات پر شاہد عدل ہے کہ ان کا قول امام ذہبی رحمہ اللہ کے حق میں مقبول نہ ہوگا، خصوصاً جبکہ اس کا سبب آپسی اختلافات ہوں، یا عصبیت کی بنا پر اس کا صدور ہوا ہو، اور قرینہ شاہد عدل ہے کہ ان کی جرح وقدح انہیں چیزوں کی وجہ سے تھی جیسا کہ ثابت ہو چکا۔

چناں چہ فرماتے ہیں:

"الجارح لا یقبل منه الجرح و ان فسره فی حق من غلبت طاعاته علٰی معاصیه، ومادحوه علی ذامیه، ومزکوه علی جارحیه، اذا کانت هناك قرینة یشهد العقل بان مثلها حامل علی الوقیعة فی الذی جرحه من تعصب مذهبی او منافسة دنیویة، کما یکون بین النظراء او غیر ذلك۔"

ترجمہ: جارح کی جرح اگر چہ مفسر ہو اس شخص کے حق میں جس کی طاعات اس کے معاصی پر اور اس کے مدح کرنے والے مذمت کرنے والے پر اور معدلین

مجرحین پر غالب ہوں، قبول نہیں کی جائے گی، یہ اس صورت میں ہے جبکہ جارح مجروح کے حق میں مذہبی تعصب یا دنیوی تنافس کا شکار نہ ہوا ہو، جیسا کہ ہم عصر وغیرہ کے درمیان ہوتا ہے۔

(قاعدة فی الجرح و التعدیل من اربع رسائل فی علوم الحدیث، ص۳۰)

امام ذہبی رحمہ اللہ کے تعلق سے مختصراً چند اقوال ذکر کرتا ہوں جس سے صاف واضح ہو جائے گا کہ وہ اس مذکورہ قاعدہ کی روشنی میں اس قابل ہیں کہ امام ابن سبکی رحمہ اللہ کے قول کو ان کے حق میں قبول نہ کیا جائے۔

(۱) قال تلمیذه الحافظ المحدث الفقیه الاصولی المؤرخ تاج الدین السبکی......:

"و اما استاذنا ابو عبد الله فبحر لا نظیر له، و کنز هو الملجا اذا نزلت المعضلة، امام الوجود حفظا، و ذهب العصر معنی و لفظا، و شیخ الجرح و التعدیل، و رجل الرجال فی کل سبیل، کانما جمعت الامة فی صعید فنظرها، ثم اخذ یخبر عنها اخبار من حضرها، و هو الذی خرجنا فی هذه الصناعة، و ادخلنا فی عداد الجماعة، جزاه الله عنا افضل الجزاء، وجعل حظه من غرفات الجنان موفر الجزاء۔"

(طبقات الشافعیة الکبریٰ للسبکی، ج۹ص۱۰۰،۱۰۱)

(۲) و قال الحافظ السیوطی فی ترجمة الذهبی:

"حکی عن شیخ الاسلام ابی الفضل بن حجر، انه قال شربت ماء زمزم لاصل الی مرتبة الذهبی فی الحفظ ۔ والذی اقوله: ان المحدثین عیال الان فی الرجال وغیرها من فنون الحدیث علی اربعة: المزی، و الذهبی، و العراقی، و ابن حجر۔" انتهی

(ذیل طبقات الحفاظ للسیوطی، ص۳۴۸)

(۳) و قال الحافظ ابن كثير فى الثناء على الذهبى:

"الشيخ الحافظ الكبير مؤرخ الاسلام و شيخ المحدثين......و قد ختم به شيوخ الحديث و حفاظه۔"

(البداية والنهاية لابن كثير، ج۱۴ص۲۲۵)

(۴) وقال تلميذ الذهبى ايضا العلامة المورخ الاديب صلاح الدين الصفدى، فى "الوافى بالوفيات" ج۲ص۱۶۳،فى ترجمته:

"......حافظ لا يجارى، و لافظ لا يبارى، اتقن الحديث و رجاله، و نظر علله و احواله و عرف تراجم الناس، و ازال الابهام فى تواريخهم و الالباس، ذهن يتوقد ذكاؤه، و يصح الى الذهب نسبته و انتماؤه، جمع الكثير، و نفع الجم الغفير، و اكثر من التصنيف، و وفر بالاختصار مؤونة التطويل فى التاليف۔

اجتمعت به واخذت عنه، و قرات عليه كثير امن تصانيفه، و لم اجد عنده جمود المحدثين، و لاكودنة النقلة بل هو فقيه النظر، له دربة باقوال الناس و مذاهب الائمة من السلف و ارباب المقالات۔ و اعجبنى منه ما يعانيه فى تصانيفه ، من انه لا يتعدى حديثا يورده حتى يبين ما فيه من ضعف متن، او ظلام اسناد، او طعن فى رواته، و هذا لم ار غيره يراعى هذه الفائدة فيما يورده۔" انتهى

(ذكر من يعتمد قوله فى الجرح و التعديل للذهبى من اربع رسائل فى علوم الحديث، ص۱۵۸)

امام ذہبی رحمہ اللہ کے مزید اوصاف جاننے کے لیے مندرجہ ذیل کتب کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے:

(۱) البدر الطالع ۲:۱۱۰،۱۱۲

(۲) تاریخ ابن الوردی ۲:۲۴۹

(۳) الدرر الکامنہ ۳:۴۲۶، ۴۲۷

(۴) الدارس فی اخبار المدارس ۱:۷۸، ۷۹

(۵) ذیول العبر ۃ۲۶۷، ۲۶۸

(۶) شذرات الذہب ۶:۱۵۳، ۱۵۷

(۷) طبقات الاسنوی ۱:۵۵۸، ۵۵۹

(۸) طبقات القراء ۲:۷۱

(۹) طبقات ابن ہدایۃ اللہ ۲۳۲

(۱۰) فہرس الفہارس ۱:۳۱۲، ۳۱۴

(۱۱) فوات الوفیات ۲:۳۷۰، ۳۷۲

(۱۲) مرآۃ الجنان ۴:۳۳۱، ۳۳۲

(۱۳) مفتاح السعادۃ ۱:۲۶۱، ۲:۳۵۸، ۳۵۹

(۱۴) النجوم الزاہرۃ ۱۰:۱۸۲

(۱۵) نکت الہمیان ۲۴۱، ۲۴۴

(۱۶) الوافی بالوفیات ۲:۱۶۳، ۱۶۸

ان تمام نکات سے یہ بات اجاگر ہو کر سامنے آ گئی کہ ابن سبکی رحمہ اللہ کی نقد ذہبی رحمہ اللہ کے حق میں جارح نہیں، نیز یہ کہ ذہبی رحمہ اللہ کی شخصیت علمائے حدیث کے نزدیک مسلم ہے، یہاں تک کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے آب زمزم پیا اور دعا فرمائی کہ اے اللہ! مجھے حفظ میں امام ذہبی رحمہ اللہ کے مرتبہ تک پہنچا دے۔ لہٰذا حافظ ذہبی رحمہ اللہ بابا رتن ہندی کی تکذیب میں محق ہیں، مزید برآں وہ اس رائے میں تنہا نہیں بلکہ ان کی تائید میں ان کے ایک ہم عصر عالم جلیل کا قول بھی موجود ہے:

امام ذہبی رحمہ اللہ کے ایک ہم عصر فقیہ، محدث ابو عبد اللہ معین الدین محمد بن جابر ودیاشی نے بھی بابا رتن ہندی کو صحابی نہیں مانا، چنانچہ تینک جنھوں نے معمرین کذابوں کے

تعلق سے دوشعر کہے تھے، ان کی تائید کرتے ہوئے انہوں نے بھی ایک شعر کہا اور اس میں رتن ہندی کو ذکر کر کے ان کے اشعار کے ساتھ ذم کر کے ان کے اشعار کو تقویت بخشی۔

چناں چہ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"انشدنی الودیاشی یعنی به ابا عبد الله معین الدین محمد بن جابر بن محمد بن قاسم بن احمد بن محمد بن حسان القیسی الفقیه المحدث المصری الرحال المکی قال تینك البیتین فیشفع یعنی بهما...حدیث بن نسطور و یسر و یغنم...و افك اشج الغرب ثم خراش...و نسخة دینار و اخبار رتبة...ابی هدبة القیسی شبه فراشی... قال الذهبی: فعزهما یعنی الودیاشی بقوله...رتن ثامن و الماردینی... تاسع ربیع بن محمود و ذلك فاشی۔ و لم یصرح الذهبی فی ربیع الوضع۔"

(الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث للحلبی، ص۱۷۶)

دوسری دلیل:

"یہ ہے کہ جب لوح محفوظ کا مطالعہ کرنے والے اولیا وابدال آپ کی صحابیت کے بارے میں تصدیق فرمائیں تو محض ایک امام ذہبی صاحب کے قول کی بنیاد پر آپ کی صحابیت کا انکار کرنا مناسب نہیں۔" (ص۳۲)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

آپ کی صحابیت کی اور آپ سے اخذ حدیث وتصحیح سند کرنے والے حضرات کے اسمائے گرامی۔ (ص۳۶)

مقالہ نگار کا صرف یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ اولیا کرام وابدال نے آپ کی صحابیت کی تصدیق فرمائی، بلکہ ضروری ہے کہ دلائل وبراہین کی روشنی میں اپنے قول کو ثابت کرتے، اور پورے مقالے میں ایسا کچھ نہیں، ہاں کچھ لوگوں کی بابا رتن ہندی سے اخذ حدیث کے تعلق

سے ذکر ہے اگر صاحب مقالہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہی توثیق وتعدیل ہے تو یہ جمہور علمائے محدثین ودیگر علما کے قانون کے خلاف ہے، کیونکہ صرف اخذ حدیث مروی عنہ کے موثق ہونے کی علامت یا دلیل نہیں ہو سکتی، ان شاء اللہ ذیل کی عبارت سے واضح ہو جائے گا۔

حافظ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”و کذا لیس تعدیلا مطلقا علی القول الصحیح الذی قال به اکثر العلماء من المحدثین وغیرهم روایة العدل الحافظ الضابط فضلا عن غیره عن الراوی علی وجه التصریح باسمه لانه یجوز ان یروی عمن لا تعرف عدالته، بل و عن غیر عدل فلا تتضمن روایته عنه تعدیله و لا خبرا عن تصدیقه۔“

(فتح المغیث شرح الفیة الحدیث للسخاوی، ج۱ص۲۶۵)

اور اگر اصولیین اور بعض محدثین کا اعتبار کیا جائے تو بھی ان کا روایت کرنا مروی عنہ کے لیے معدل نہیں ہو سکتیں، کیونکہ جن کے بارے میں اخذ حدیث وتصحیح سند کا ذکر کیا گیا ہے ان کے بارے معلوم نہیں کہ وہ 'عُدول' سے روایت کرنے کا التزام کرتے تھے یا نہیں؟ اور حالات یہی بتاتے ہیں کہ التزام نہیں کرتے تھے، کیونکہ ان لوگوں نے ایسے شخص سے روایت کی ہے جس کے بارے میں اکثر علمائے عظام کذاب ہونے کا قول کر چکے ہیں۔

و الثابت التفصیل، فان علم انه لا یروی الا عن عدل کانت روایته عن الراوی تعدیلا له و الا فلا، وهذا هو الصحیح عند الاصولیین کالسیف الآمدی...... الخ

(فتح المغیث شرح الفیة الحدیث للسخاوی، ج۱ص۲۶۶)

لہٰذا مولانا کی یہ دلیل بھی بابا رتن ہندی کی صحابیت ثابت کرنے کے حق میں قابل قبول نہیں ہوگی۔

تیسری دلیل:

مقالہ نگار نے حدیث کا مفہوم بیان کرنے کے لئے چار طرح کے اقوال نقل کئے ہیں:

(۱) حدیث کے الفاظ ((علٰی وجه الارض)) کا مفہوم پوری دنیا کو شامل ہے۔

(۲) ان الفاظ سے مراد صرف 'مدینہ' ہے جو 'قیل' سے ذکر کیا گیا ہے۔

(۳) ان سے مراد عرب ہے۔

(۴) مذکورہ الفاظ سے مراد حجاز ہے اور اس میں وہی لوگ مراد ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا ہے۔

پھر خلاصہ حدیث میں حدیث کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یعنی جتنے لوگ حجاز مقدس پر رہنے بسنے والے ہیں ان میں سے کسی کی بھی سو سال سے زیادہ عمر نہیں ہوگی، البتہ اس صدی کے بعد والوں کی عمر حجاز میں بھی سو سال سے زیادہ ہوسکتی ہے۔''

مذکورہ بالا اقوال سے لگتا ہے کہ ان کے پاس اپنے موقف کے ثابت کرنے کے لئے کئی ایک دلیلیں ہیں، حالانکہ حقیقت کچھ اور ہے ان شاء اللہ ذیل میں بیان سے واضح ہو جائے گا۔

صاحب مقالہ کی مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہے کہ ان کو یہ تسلیم ہے کہ حدیث کے الفاظ ((علٰی وجه الارض)) کی وسعت حجاز کو شامل ہے وبس؛ لہٰذا پہلا قول تو ان کے لئے دلیل بن ہی نہیں سکتا؛ کیونکہ وہ پوری روئے زمین کو شامل ہے، اور علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ کا 'قیل' سے ذکر کیا ہوا قول بھی دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ اس کا قائل 'علٰی وجه الارض' حدیث کے الفاظ سے صرف 'مدینہ' مراد لے رہا ہے۔

نیز اس قول کے قائل پر ابن حجر رحمہ اللہ رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اور حق تو یہ ہے کہ 'الارض' میں الف لام عموم کے لئے ہے اور تمام بنی آدم کو شامل ہے۔''

''و ابعد من قال: ان اللام فی الارض عهدیة و المراد ارض المدینه و الحق انها للعموم وتتناول جمیع بنی آدم۔''

(فتح الباری بشرح صحیح البخاری لابن حجر، [illegible] ص۸۹)

اور مقالہ نگار آگے لکھتے ہیں:

''علامہ مارزی فرماتے ہیں: حدیث شریف کے 'الارض' میں 'الف لام' عہد کا ہے، اس سے عرب کی سرزمین مراد ہے۔''

اور آگے لکھتے ہیں:

''حضرت شاہ سید محمد علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی فرماتے ہیں: اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ ایک صدی کے بعد کوئی میرا دیکھنے والا نہ رہے گا، مراد اس کی زمین حجاز سے ہے۔''

یعنی حجاز میں جس نے حضور کو دیکھا ہے وہی اس حدیث کے حکم میں شامل ہے، باقی لوگ صدی سے زیادہ زندہ رہ سکتے ہیں۔

آیئے پہلے حجاز و عرب کی وسعت کو سمجھتے ہیں:

حجاز: مکہ اور اس سے متعلق مدینہ تک جو تہامہ اور نجد کے درمیان ہے اسے حجاز کہتے ہیں۔ محمد ابراہیم سلیم فرماتے ہیں:

"الحجاز: مکة و ما یتعلق بها الی المدینة ما بین تهامة و نجد۔"

(نسبك و معناه، ص۳۶)

اور **عرب:** مکہ و مدینہ کے علاوہ یمن وغیرہ کو بھی شامل ہے۔

حجاز اور عرب کے حدود بیان کرنے سے واضح ہو گیا کہ یہ دلیل یعنی علامہ مارزی رحمہ اللہ کا قول بھی قابل استدلال نہیں ہے؛ کیونکہ صاحب مقالہ پہلے ہی مان چکے ہیں کہ حدیث کی وسعت حجاز کو شامل ہے و بس، اور عرب حجاز کے علاوہ دوسرے ملکوں مثلاً یمن وغیرہ کو بھی شامل ہے۔ بہر کیف اس بیان سے واضح ہو گیا کہ مقالہ نگار کے موقف کے موافق فقط ایک قول ہے جس کو بنیاد بنا کر بابا رتن ہندی کو صحابی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو جمہور علماء کے قول کے خلاف ہے؛ لہٰذا حضرت شاہ سید محمد علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی صاحب کے قول سے بھی اپنا موقف ثابت کرنا درست نہ ہوگا۔

چوتھی دلیل:

مقالہ نگار تحریر کرتے ہیں:

''پھر اگر درازی عمر ہی پر اعتراض ہو تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر تقریباً تین سو سال ہوئی تھی...... یہ تمام حضرات حجاز مقدس سے باہر تھے اس لئے اس حدیث شریف سے ان پر کوئی اعتراض نہیں پڑے گا، اسی طرح بابا رتن ہندی بھی عہد رسالت ہی میں ہندوستان چلے آئے تھے، اس لیے آپ بھی قید سے باہر سمجھے جائیں گے۔''

اولاً: عرض کروں، اعتراض صرف عمر کی درازی پر نہیں ہے بلکہ صریح حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہے، نیز قرائن اس بات پر واضح دلالت کرتے ہیں کہ بابا رتن ہندی یا تو کذاب تھا یا اس کا نام گھڑ کے اس کی طرف حدیثیں منسوب کر دی گئیں۔ کیونکہ کوئی صحابی ہو اور اس کی شہرت نہ ہو، چلیں مان لیتے ہیں پہلی صدی میں مشہور نہیں ہوئے مگر دوسری صدی جس میں تدوین کا دور شروع ہو کر، تیسری، چوتھی صدی میں اپنے آب و تاب پر پہونچ چکا تھا، علمائے عظام اس دور میں تابعین اور تبع تابعینؒ سے علم حاصل کرنے کے لئے دور دور کا سفر کرنے لگے تھے، اس وقت بھی انہیں شہرت حاصل نہیں ہوئی، کیا اس سے عقلی طور پر تقریباً یہ بات یقین کو نہیں پہونچ جاتی کہ رتن ہندی نام کا کوئی صحابی نہیں تھا، اور اگر کوئی ابو طفیل عامر بن واثلہ لیثی کے ۱۱۰ھ میں انتقال کے بعد دوسری، تیسری، چوتھی صدی میں اس نام کا پایا جاتا تو ضرور ان دنوں وہ مشہور ہو جاتا، اور دنیا کے اطراف و اکناف سے لوگوں کا ان سے حدیث اخذ کرنے اور زیارت کرنے کا تانتا بندھ جاتا۔

ثانیاً: شاید مقالہ نگار نے حدیث کا مطلب یہ سمجھ لیا کہ جس کی بھی عمر سو سال کی ہو جائے گی اس کا خاتمہ ہو جائے گا چاہے حدیث کے ورود سے پہلے اس کی عمر کا شمار کیا جائے یا اسی رات سے شمار کیا جائے، اسی لیے شاید صاحب مقالہ نے فرمادیا:

''پھر اگر درازی عمر ہی پر اعتراض ہو تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر تقریباً تین سو سال ہوئی تھی...... یہ تمام حضرات حجاز مقدس سے باہر تھے اس لئے اس حدیث شریف سے ان پر کوئی اعتراض نہیں پڑے گا۔''

حالاں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ مطلب وہ ہے جو صاحب مقالہ نے امام نووی کے قول میں ذکر کیا ہے فرماتے ہیں:

''اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جو جان بھی اس رات میں موجود ہوگی وہ اسی رات کے بعد سو سال سے زیادہ زندہ نہیں رہے گی، پہلے چاہے اس سے زیادہ عمر ہو یا کم۔''

اس عبارت کو غور سے پڑھیں پھر سوچیں کیا وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کا مقالہ میں ذکر کیا گیا ہے ان میں سے کسی کی عمر اس مذکورہ حدیث کے ورود کی رات سے شمار کرنے میں سو سے زیادہ ہوئی؟ واضح جواب ملے گا نہیں، تو پھر حدیث سے ان ذکر کردہ صحابہ کرام پر اعتراض بھی نہیں ہوگا اگرچہ وہ حجاز ہی میں کیوں نہ ہوں، لہٰذا یہ کہنا بجا نہ ہوگا: ''پھر اگر درازیِ عمر ہی پر اعتراض ہو الخ.....'' اور ساتھ ہی ان صحابہ کو مشبہ بہ بنا کر یہ کہنا بھی درست نہ ہوگا:

''اسی طرح بابا رتن ہندی عہد رسالت ہی میں ہندوستان چلے آئے تھے اس لئے آپ بھی قید صدی سے باہر سمجھے جائیں گے۔''

پانچویں دلیل:

لکھتے ہیں:

''اور اگر کوئی بضد ہو اور حدیث کو عموم پر ہی محمول کرتا ہو تو کوئی حرج نہیں، کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بابا رتن ہندی کی درازی عمر کے لئے چھ مرتبہ دعا فرمائی، ہر بار میں سو سال کی آپ کو عمر ملی۔''

پھر حدیث ذکر کی: وقال لی عند خروجی الخ......۔

جس مزعومہ صحابی بابا رتن ہندی پر ان احادیث کا مدار تھا، مذکورہ بالا بیان سے جب ان کا صحابی ہونا باطل ہو گیا تو ان کی احادیث بھی باطل ہو گئیں، اور ان احادیث سے استدلال کرنا بھی باطل ہو گیا۔

حدیث عمر الامة کا صحیح مفہوم محدثین کرام کی نظر میں

بخاری شریف کی حدیث ہے:

”عن عبد الله بن عمر رضی الله عنه قال: صلی بنا رسول الله صلی الله علیه وسلم لیلة صلاة العشاء و هی التی یدعو الناس العتمة ثم انصرف فاقبل علینافقال:

((ارایتکم لیلتکم هذه فان راس مائة سنة منها لا یبقی ممن هو علی ظهر الارض احد))“

(صحیح البخاری، باب السمر فی العلم، ج ا ص ۵۵)

اسی میں دوسری جگہ پر ہے:

عن عبد الله بن عمر رضی الله عنه قال: صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم صلاة العشاء فی آخر حیاته فلما سلم قام النبی صلی الله علیه وسلم فقال:

”((ارایتکم لیلتکم هذه فان راس مائة لا یبقی ممن هو الیوم علی ظهر الارض احد))۔ فوهل الناس فی مقالة رسول الله صلی الله علیه وسلم الی ما یتحدثون من هذه الاحادیث عن مائة سنة و انما قال النبی صلی الله علیه وسلم: ((لا یبقی ممن هو الیوم علی ظهر الارض)) یرید بذلك انها تخرم ذلك القرن۔“

(صحیح البخاری، باب السمر فی الفقه، ج ا ص ۲۱۶)

یہ دونوں حدیثیں امت کی عمر کے بارے میں ہیں، جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو بھی

انسان آج روئے زمین پر ہے وہ سو سال کے اندر اس دار فانی سے کوچ کر جائے گا، یہی مفہوم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا، جیسا کہ دوسری حدیث شریف کی تفسیر میں ان کے بیان سے ظاہر ہے۔

علامہ زین الدین ابوالفرج ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حدیث شریف سے مراد یہ ہے کہ جتنے لوگ اس وقت زمین پر موجود تھے سب کا وجود سو سال کے اندر صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا، اور حدیث کی یہی تفسیر بڑے بڑے صحابہ کرام مثلاً حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ نے بھی فرمائی ہے۔''

"واما ما قاله صلی اللہ علیہ وسلم: ((من انه لا يبقى على راس مائة سنة من تلك الليلة احد)) فمراده بذلك انخرام قرنه و موت أهله كلهم الموجودين منهم في تلك الليلة على الارض، و بذلك فسره اكابر الصحابة لعلي بن ابي طالب و ابن عمر و غيرهما۔"

(فتح الباری لابن رجب، کتاب الصلاۃ، ج۴ص۸۲)

اس عبارت سے ظاہر ہوا کہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے بھی حدیث کا مفہوم یہی سمجھا۔

اس حدیث کے تعلق سے کیا موقف ہونا چاہئے اس کے لیے صحابہ کرام کی آرا کافی تھیں، مگر چونکہ بات آگئی ہے تو چند علما کے اقوال ذکر کر دیتا ہوں تاکہ ظاہر و باہر ہو جائے کہ جمہور علمائے کرام نے بھی ان احادیث کا یہی مطلب سمجھا اور بتایا، اور سو سال کے بعد اگر کسی نے صحابیت کا دعویٰ کیا تو انہیں احادیث اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کے پیش نظر بغیر ادنیٰ تدبر کے رد کر دیا، نیز اگر کسی کو غلط فہمی ہو گئی ہو کہ شاید صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے بعد رائے بدل گئی ہے تو وہ ان اقوال کی تابناک روشنی میں اپنی اصلاح کر لے۔ ذیل میں محدث زمانہ، حامل سنت، حافظ دین وملت کے کچھ اقوال پیش ہیں:

امام شرف الدین نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حدیث سے مراد یہ ہے کہ اس رات جو شخص بھی زمین پر باحیات تھا وہ سو سال سے زیادہ زندہ نہ رہے گا، اگر چہ اس کی عمر مذکورہ رات سے پہلے زیادہ ہو یا کم۔''

''والمراد ان کل نفس منفوسة کانت اللیلة علی الارض لا تعیش بعدها اکثر من مائة سنة سواء قل عمرها قبل ذلک ام لا۔'' (المنهاج للامام النووی علی الصحیح مسلم:۸ص۳۱۶)

جلالۃ العلم حافظ زین الدین عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر کوئی شخص صحابیت کا دعویٰ کرے تو اس کی صحابیت کو ماننے کے لئے ضروری ہے کہ ظاہری حالات اس کے موافق ہوں، لہٰذا اگر کسی نے سو سال کے بعد صحابی ہونے کا دعوہ کیا تو اس کو قبول نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ سو سال کے بعد ابوالدنیا اشج ومکلبہ بن ملکان اور رتن ہندی نے صحابی ہونے کا دعویٰ کیا مگر علمائے حدیث نے ((ا رایتکم لیلتکم هذه۔۔۔ الخ)) کے پیش نظر ان کی صحابیت کے دعویٰ کو رد کر دیا، اور ان کی تکذیب پر متفق ہو گئے۔''

''و علی کل تقدیر فلابد من تقیید ما اطلقه بان یکون ادعاوه لذلک یقتضیه الظاهر، اما لو ادعاه بعد مائة سنة من وفاته صلی اللہ علیہ وسلم فانه لا یقبل ذلک منه کجماعة ادعوا الصحبة بعد ذلک کابی الاشج، و مکلبة بن ملکان و رتن الهندی فقد اجمع اهل الحدیث علی تکذیبهم و ذلک لما ثبت فی الصحیحین من حدیث ابن عمر رضی الله عنه قال: صلی بنا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلة صلاة العشاء فی آخر حیاته فلما سلم قام فقال: ((ارایتکم الخ......)) و کان اخباره صلی اللہ علیہ وسلم بذلک قبل موته بشهر۔'' (التقیید و الایضاح للعراقی، ص۳۰۰)

شارح بخاری علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس حدیث سے مراد وہ امت ہے جو اس وقت روئے زمین پر تھی۔

"فان مراده ممن هو على ظهر الارض امته و القرائن تدل على ذلك منها قوله: ((ارايتكم ليلتكم هذه)) وكل من على وجه الارض من المسلمين و الكفار امته اما المسلمون، فانهم امة اجابة واما الكفار فانهم امة دعوة وعيسى و الخضر عليهما السلام ليسا داخلين فى الامة واما الشيطان فانه ليس من بنى آدم۔" (عمدة القاری شرح صحیح البخاری، ج۲ص۸۹)

امیر المومنین فی الحدیث علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے وقت سے ایک سو سال کی تکمیل تک وہ صدی ختم ہو جائے گی اور کوئی باقی نہ رہے گا۔ اور استقرائے تام سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جس صحابی کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول حق ثابت ہوا وہ ابو طفیل عامر بن واثلہ لیثی رضی اللہ عنہ تھے، اور اصحاب حدیث کا اس پر اجماع ہے کہ سب سے آخر میں انتقال ہونے والے صحابی ابو طفیل عامر بن واثلہ لیثی رضی اللہ عنہ ہیں۔

"و قد بين ابن عمر فى هذا الحديث مراد النبى صلى الله عليه وسلم و ان مراده ان عند انقضاء مائة سنة من مقالته تلك ينخرم ذلك القرن فلا يبقى احدممن كان موجودا حال تلك المقالة، و كذلك وقع بالاستقراء فكان آخر من ضبط امره ممن كان موجودا حينئذ ابو الطفيل عامر بن واثلة، وقد اجمع اهل الحديث على انه كان آخر الصحابة موتا، و غاية ما قيل فيه انه بقى الى سنة عشر و مائة و هى راس مائة سنة من مقالة النبى صلى الله عليه وسلم۔"

(عمدة القاری شرح صحیح البخاری، باب السمر فی العلم، ج۳ص۳۴۳)

حافظ حدیث علامہ جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اگر کوئی مدعی ہو کہ میں صحابی ہوں، اور اس کے اس دعوی کے صحیح ہونے کا امکان ہو تو اس کا صحابی ہونا تسلیم کرلیا جائے گا، لیکن اگر کسی نے ایسے وقت میں دعوی کیا جس میں اس کا صحابی ہونا ممکن ہی نہ ہو مثلاً کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے بعد صحابی ہونے کا دعوی کیا تو حدیث ((ارایتکم لیلتکم هذه)) کی وجہ سے اس کا دعوی قبول نہیں کیا جائے گا۔"

"او قوله 'هو' انا صحابي 'اذا كان عدلا' اذا امكن ذلك فان ادعاه بعد مائة سنة من وفاته صلى الله عليه وسلم فانه لا يقبل وان ثبتت عدالته قبل ذلك، لقوله صلى الله عليه وسلم في الحديث ((ارايتكم ليلتكم هذه)) فانه على راس مائة سنة لم يبق احد على ظهر الارض۔ يريد انخرام ذلك القرن۔ قال ذلك سنة وفاته صلى الله عليه وسلم۔"

(تدریب الراوی للسیوطی، ص۴۸۱)

اور اگر مزید حدیث کی وضاحت چاہتے ہیں تو مندرجہ ذیل محدثین کرام کے اقوال کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

موضوعات الصغانی لابی الفضائل الحسن بن محمد بن الحسن القرشی الصغانی، ص۳۱

تنزیه الشریعة المرفوعة لابی الحسن علی بن محمد بن العراقی الکنانی، ج۲ص۳۹

موضوعات الفتنی لمحمد طاهربن علی الفتنی الهندی، ص۱۰۴

کشف المشکل علی صحیح البخاری لابی الفرج ابن الجوزی ج۱ ص۱۱۷

کشف الخفاء لاسماعیل بن محمد الجراحی العجلونی، ج۲ص۴۱۵

الشذ الفیاح من علوم ابن الصلاح لابراهیم بن موسی بن ایوب

البرهان الابناسی، ج۲ص۴۹۷

المفصل فی اصول التخریج لعلی بن نایف الشهود، ج۲ص۵

رحمہم اللہ تعالیٰ

کیا بابا رتن ہندی صحابی ہیں؟

مذکورہ بالا حدیث اور اجماع محدثین کی وجہ سے علمائے کرام نے بابا رتن ہندی کو کذاب قرار دیا، اور ان کی حدیثوں کو اپنی موضوعات میں شمار کیا، ذیل میں کچھ مصنفوں کے نام ذکر کئے جاتے ہیں جنہوں نے اپنی موضوعات میں بابا رتن ہندی کو کذاب یا ان کی احادیث کو موضوع قرار دیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

امام صغانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''رتن ہندی کی حدیثیں موضوع ہیں۔''

''و احادیث رتن الهندی موضوعة۔'' (موضوعات الصغانی،ص۱)

ابوالحسن علی بن محمد کنانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''رتن ہندی وہ مشہور کذاب ہے، جس نے چھ سو سال کے بعد صحابی ہونے کا دعویٰ کیا۔''

''رتن الهندی ذلك الكذاب المشهور ظهر بعد الست مائة فادعی الصحبة'' (تنزیہ الشریعة المرفوعة لابن عراق، ج۱ص۵۵)

فقیہ العصر علامہ ملا علی قاری بابا رتن ہندی کی ایک حدیث ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ

''یہ رتنی موضوعات سے ہے۔''

''من اعان تارك الصلاة بلقمة فكانما قتل الانبياء كلهم، موضوع رتنی''

(المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع لعلی القاری، ص۱۶۱)

مزید برآں بابا رتن ہندی کیا تھا اور اس کی حدیثیں کس درجہ کی ہیں، یہ جاننے کے لئے

ذیل میں ذکر کردہ محدثین کے مولفات کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے:

ذیل الموضوعات لجلال الدین السیوطی ص۸۱

الفوائد المجموعة لمحمد بن علی الشوکانی، ج۱ص۲۰۴

موضوعات الصغانی لابی الفضائل الحسن بن محمد بن الحسن القرشی

تنزیه الشریعة المرفوعة لابی الحسن علی بن محمد بن العراقی الکنانی

تذکرة الموضوعات لمحمد طاهر بن علی الفتنی الهندی

وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ

کچھ چیزیں تنقیح طلب ہیں!

مولانا مقالہ نگار فرماتے ہیں:

(۱) ''امام ذہبی صاحب کے بارے میں تو اسماء الرجال کی بعض کتابوں میں یہ مصرح ہے کہ جب ان کی جرح وتعدیل کے ساتھ کسی امام کی جرح وتعدیل ٹکرا جائے تو اس کو ذہبی پر ترجیح دی جائے گی' یہ قول کس کا ہے اور کس کتاب میں ہے؟''

(۲) ''حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ حجاز سے باہر کب گئے، کیا ان کے حجاز سے باہر وفات پانے سے یہ لازم آتا ہے کہ مذکورہ حدیث کے بیان کے وقت وہ حجاز میں نہ رہے ہوں؟''

(۳) مقالہ نگار نے قال قال رسول اللہ ﷺ کر کے رتن ہندی کی مرویات بغیر تحقیق کئے بہت سی ایسی کتابوں کا حوالہ دیکر ذکر کی ہیں جس کے مصنّفین نے ان کے کذاب یا صحابی نہ ہونے کا قول کیا ہے، کیا اس طرح ذکر کرنا صحیح ہے؟

فائدہ:

مقالہ کی عبارت ہے:

”و عنده علٰی اهل السنة تحمل مفرط“

تحمل، نہیں بلکہ تحامل ہے، چناں چہ محدث کبیر ابو غدہ حنفی عبارت کی تصحیح کے بعد فرماتے ہیں:

”وقع فی طبعة البابی: 'تحمل' و هو تحریف“

(حاشیة قاعدة الجرح و التعدیل للسبکی من اربع رسائل فی علوم الحدیث، ص۴۳)

نوٹ: مقالہ نگار نے بابا رتن ہندی کی بعض مرویات اور ان سے اخذ حدیث کرنے والوں کے محض اسماذ کر کرنے پر اکتفا کیا، چاہئے تو یہ تھا کہ جب وہ ایسے شدید مختلف فیہ شخص کی مرویات ذکر کر رہے تھے تو مکمل سند بیان کرتے اور اتصال سند کو علمائے حدیث کے اقوال کی روشنی میں ثابت کرنے کی کوشش کرتے۔

فقیر الی اللہ طالبِ حدیث فضائل ہند کی بعض روایتوں کی صحت سے متفق نہیں ہے، ارادہ تو یہ تھا کہ اس پر تحقیق و دراسہ کرتا مگر امتحان قریب ہونے کی وجہ سے وقت کی قلت دامن گیر ہے، ان شاء اللہ عزوجل اگر زندگی نے ساتھ دیا تو اس نیک کام کی تکمیل ہوگی۔

اسال اللّٰه ان یمنحنا الرشاد و ان یباعد بیننا و بین مواطن الخطاء انه علٰی ما یشاء قدیر و بالاجابة جدیر۔



مراجع

(۱) الارشاد الیٰ کیفیة دراسة الاسناد لرضا زکریا

(۲) الاعلان بالتوبیخ للسخاوی، تحقیق: فرانز روز نزال، مطبع: دار الباز للنشر، مکة المکرمة

(۳) البدایة و النهایة لابن کثیر، مطبع: مکتبة المعارف، بیروت، الطبعة السادسة

(۴) البدر الطالع للشوکانی، مطبع: دارالمعرفة، بیروت

(۵) تاریخ الاسلام للذهبی، تحقیق: عمر عبد السلام، مطبع: دار الکتب العربی

(٦) تدریب الراوی للسیوطی، تحقیق: محمد ایمن بن عبد الله الشبراوی، مطبع: دار الحدیث، مصر

(۷) التقیید و الایضاح للعراقی، مطبع: المکتبة السلفیة بالمدینة المنورة

(۸) تنزیه الشریعة المرفوعة لابن عراق، تحقیق: مجدی فتحی السید، مطبع: المکتبة التوفیقیة

(۹) حاشیة قاعدة الجرح و التعدیل لابن السبکی من اربع رسائل فی علوم الحدیث، تحقیق: عبد الفتاح ابوغدة، مطبع: شرکة دار البشائر الاسلامیة، بیروت، لبنان

(۱۰) حاشیة قاعدة المورخین لابن السبکی من اربع رسائل فی علوم الحدیث، تحقیق: عبد الفتاح ابوغدة، مطبع: شرکة دار البشائر الاسلامیة، بیروت، لبنان

(۱۱) ذکر من یعتمد قوله فی الجرح و التعدیل للذهبی من اربع رسائل فی علوم الحدیث، تحقیق: عبد الفتاح ابو غدة، مطبع: شرکة دار البشائر الاسلامیة

(۱۲) ذیل طبقات الحفاظ للسیوطی، احیاء التراث العربی

(۱۳) الرفع و التکمیل فی الجرح و التعدیل للکنوی، تحقیق: عبد الفتاح ابوغدة، مطبع: شرکة دار البشائر الاسلامیة، بیروت، لبنان

(۱۴) سیر اعلام النبلاء للذهبی، تحقیق: مامون الصاغری

(۱۵) صحیح البخاری، مطبع:دار ابن کثیر، بیروت
(۱۶) طبقات الشافعیة الکبری للسبکی،تحقیق:محمود محمد الطحانی و عبد الفتاح عبد الحلو
(۱۷) عمدة القاری شرح صحیح البخاری للعینی
(۱۸) فتح الباری لابن رجب
(۱۹) فتح الباری بشرح صحیح البخاری للعسقلانی،مطبع:دار الحدیث،مصر
(۲۰) فتح المغیث شرح الفیة الحدیث للسخاوی، تحقیق: مجدی فتحی السید، مطبع: المکتبة التوفیقیة، مصر
(۲۱) قاعدة فی الجرح و التعدیل لابن السبکی من اربع رسائل فی علوم الحدیث، تحقیق: عبد الفتاح ابوغدة، مطبع شرکة دار البشائر الاسلامیة،بیروت، لبنان
(۲۲) قاعدة المورخین لابن السبکی من اربع رسائل فی علوم الحدیث ،تحقیق:عبد الفتاح ابوغدة، مطبع:شرکة دار البشائر الاسلامیة،بیروت،لبنان
(۲۳) الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث لابراهیم بن محمد ابن العجمی الحلبی، تحقیق:صبحی السامرائی، مطبع:مطبعة العانی، بغداد
(۲۴) المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع لعلی القاری، تحقیق: عبد الفتاح ابو غدة، مطبع:شرکة دار البشائر الاسلامیة،بیروت
(۲۵) المنهاج للامام النووی علی صحیح مسلم
(۲۶) موضوعات الصغانی
(۲۷) میزان الاعتدال للذهبی،تحقیق علی محمد البجاوی،دار المعرفة، بیروت
(۲۸) نسبك و معناه، مطبع:مکتبة ابن سینا، مصر



معارف

اُصولِ حدیث

مبادیاتِ فنِ حدیث - اِصطلاحات واقسامِ حدیث
حدیث وار بابِ حدیث سے متعلق مفید معلومات

رضوی اِفادات، اِرشادات وتحقیقات

تالیف
مولانا عبد اللہ اعظمی نجمی
مولانا جاوید رضا نجمی

کتاب محل
دربار مارکیٹ، لاہور

احادیث کی اسناد اور راویوں کی صحت وضعف کو جانچنے کے اصول

اُصولِ جرح وتعدیل

تالیف

مولانا محمد صدر الوریٰ قادری مصباحی

اُستاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

اِبتدائیہ

حضرت علامہ محمد احمد اعظمی مصباحی

ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

کتاب محل

دربار مارکیٹ، لاہور

ادارے کی شائع کردہ چند کتب

- ☆ الرسول ﷺ
- ☆ تاریخ الدولۃ المکیۃ
- ☆ فقہائے احناف اور فہم حدیث
- ☆ مذہب حنفی کی تائید و ترجیح (مترجم)
- ☆ فضائل موئے مبارک ﷺ
- ☆ الشیخ احمد رضا خان الھندی البریلوی (عربی)
- ☆ تحقیق التراویح (مترجم)
- ☆ کتاب العقل
- ☆ جہاد مزاحمت اور بغاوت
- ☆ تہافت الفلاسفہ (مترجم)
- ☆ متون حدیث پر جدید ذہن کے اشکالات
- ☆ احادیث توسل و زیارت (مترجم)
- ☆ دعوتِ اسلامی (فکر اور تنظیم کار)
- ☆ معارف اصول حدیث
- ☆ سرمایہ دارانہ نظام ایک تعارف
- ☆ اللمع فی تصوف (مترجم)
- ☆ اسلام یا جمہوریت
- ☆ کشف المحجوب (مترجم 2 کلر)
- ☆ اسلام اور جدید سائنس
- ☆ ملفوظات شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (مترجم)
- ☆ یہودی، مغرب اور مسلمان
- ☆ روحِ تصوف
- ☆ تحفۃ المجاہدین (متن و ترجمہ)
- ☆ فصوص الحکم (مترجم)
- ☆ مشنری سکول (متن و ترجمہ)
- ☆ بستان العارفین (مترجم)
- ☆ Rejecting Freedam & Progress
- ☆ مناقب ابن عربی (متن و ترجمہ)
- ☆ مابعد جدیدیت اور اسلامی تعلیمات
- ☆ شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ
- ☆ فلسفہ اور سامراجی دہشت گردی
- ☆ زبدۃ المقامات (مترجم)
- ☆ نیچریت (متن و ترجمہ)
- ☆ افکار الصدرین
- ☆ کمپنی کی حکومت
- ☆ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ
- ☆ مقالات جامی
- ☆ وحدۃ الوجود (متن و ترجمہ)
- ☆ غزوۂ ہند
- ☆ ہندوستان کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کا حصہ
- ☆ صاحبزادہ سیّد خورشید احمد گیلانی کی مکمل کتابوں کا سیٹ
- ☆ امام غزالی اور امام احمد رضا کی علمیات کا تقابلی جائزہ
- ☆ فکر رضا کے جلوے
- ☆ قصیدۂ بانت سعاد (متن و ترجمہ)
- ☆ امام احمد رضا کے افکار و نظریات
- ☆ اُصول جرح و تعدیل
- ☆ تحقیقات حدیث
- ☆ غیر مسلم خودکش حملہ آوروں کی تاریخ